رحمتوں
کے سفر
قیوم نائیک

REHMATUN KAY SAFAR

By
Ab. Qayoom Nayak

رحمتوں کے سفر

گھر سے دیار حرمین تک

جناب سلیم سالک کو
کلچرل اکیڈمی سرینگر
بابت تبصرہ
قیوم نایک
10/9/24

عبدالقیوم نائیک

زیر اہتمام

سرسید ایم ۔ آئی ۔ ایجوکیشن مشن سوسائٹی

بھروٹ راجوری، جے اینڈ کے، انڈیا

©جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	:	رحمتوں کے سفر
مصنف (قلمی نام)	:	قیوم نائیک
سائز	:	23x36/16
سالِ اشاعت	:	2019ء
تعداد	:	300
قیمت	:	300روپے
زیراہتمام	:	سرسید ایم آئی ای فاؤنڈیشن بہروٹ راجوری جموں وکشمیر
کمپیوٹرکمپوزنگ	:	**TFCسنٹر** خان کمپلیکس مدینہ چوک گاؤکدل سرینگر 2473818
طباعت	:	**الحیات** پرنٹوگرافرس سرینگر 9419403126

ملنے کا پتہ:

۱۔ سرسید ایجوکیشن مشن سوسائٹی بہروٹ راجوری جموں وکشمیر انڈیا

۲۔ سرسید میموریل ہائیر سیکنڈری سکول بہروٹ راجوری

۳۔ سرسید اے۔ایم۔یو۔ فاصلاتی پی جی کالج بہروٹ راجوری جموں وکشمیر

۴۔ جامعہ سبحانیہ مدینۃ العلوم بہروٹ راجوری جموں وکشمیر

۵۔ سرسید انفارمیشن ٹیکنالوجی انسٹی چیوٹ، بہروٹ راجوری جموں وکشمیر

۶۔ سرسید الغزالی لائبریری، بہروٹ راجوری جموں وکشمیر

انتساب

انسان کامل نبی رحمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عالم انسانیت اور دنیا کے حجاج کرام

ان تحریکوں کے جنہوں نے تعلیمی، تعمیری اور اصلاحی انقلاب برپا کیا

ان نوجوانوں کے جنہوں نے راہ حق میں اپنی جانیں نچھاور کیں

اُن والدین کے جنہوں نے غربت میں بھی پورے خاندان کی

تعلیمی جِلا جاری رکھی

کے نام

آؤ چلیں حبیب کے کوچے میں چار دن

ملتا ہے کیسے دیکھئے فیضانِ مصطفیٰ ﷺ

اسلامی فکر ہمیشہ مجھ پر رفتارِ حاوی رہی۔ مسلم قوم کی زبوں حالی پہ ترس آتا رہا۔ جب کہ دیگر قومیں دنیاوی طور پر ترقی کی منازل طے کرتی ہیں اور یہ قوم تہذیبی، تعلیمی، سماجی اور سیاسی طور پر ابھی بھی یتیم ہے۔ قدیم زمانہ میں بیشتر سائنس کے موجد علم اور سیاست کے استاد اسی قوم سے ہوئے ہیں۔ اسلام اسی لیے بغیر تلوار، خون خرابہ، جنگ وجدل کے ساری دنیا میں سرعت سے پھیلا اور اسی وجہ سے روشنی کا منبہ بن کر اُبھرا۔ ان تمام کا مرکز مکہ، مدینہ، شام، فلسطین، بغداد تھا۔ طالب علمی کے دنوں میں ہی عرب قوم کو دیکھنے کی تڑپ تھی۔ میں سوچتا تھا کہ فلسطینی قوم کے لیے لڑتے لڑتے جان نچھاور کروں لیکن بے بس تھا۔، میرے پاس کوئی ذریعہ معاش نہ تھا کہ میں فلسطین تک جا پہنچوں۔ یہ میری وہ روحانی تعلیم تھی جو پدری مکتب سے ملی تھی۔ جہاں پر قرآن ناظرہ درجہ چہارم تک پڑھ چکا تھا۔ میری تعلیم مکمل ہونے میں بہت سال بیت گئے۔ اسی عرصے میں سماجی، ادبی تحریکوں سے وابستہ ہوگیا۔ ایک ادبی انجمن کوشر مرکز کی بنیاد جب رکھی گئی اور اس کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی، تو میری اضافی طاقت اس طرف مبذول ہوتی گئی۔ میرے روزگار کا بندوبست ہوا۔ میں دل کی دنیا پہ غور کرنے لگا، فلسطین کے بجائے قوموں کی اصلاح میرا مقصدِ حیات بن گیا۔ سوچتا تھا اگر میں کچھ کروں تو ہزاروں نوجوانوں کو اپنے جذبے سے سرشار کرسکتا ہوں۔ میرا روزگار کھیل کود سے جڑ گیا، مجھے ہندوستان بھر کو دیکھنے کا موقع ملا اور پھر کشمیر سے راس کماری کنچن چنگاہ جیسی پہاڑی کے دامن میں ''تنزن گمبو'' دنیا کے پہلے ایورسٹ سر کرنے والے کی شاگردی میں دو مہینے گذارنے کا موقع ملا۔ اس سے میرے نظریے میں وسعت ہوئی۔ میرے جذبات فلسطین کے متعلق قدرے پھیکے پڑنے لگے۔ دھول کی تہہ چھا

گئی۔ ذہن پر ایک خبط سوار ہوگیا کہ تعلیمی اور سماجی میدان میں ملت کی خدمت کروں۔ اس کی دوسری کڑی فروری ۱۹۸۵ء میں موجودہ سرسید ہائیر سکینڈری سکول کی داغ بیل ڈالی۔ پھر سال ۱۹۸۴ء میں ایک بہت بڑے حادثے کا شکار ہوگیا۔ میرا مکان جوگارے اور پتھروں کا بنا تھا۔ ۳۱/اگست ۱۹۸۴ء کو اچانک رات کے پچھلے پہر چار بجے گر گیا۔ میں مٹی اور بالوں کے ٹنوں بوجھ تلے دھب چکا تھا۔ اللہ کی قدرت مدد سے اہل کنبہ نے آدھے گھنٹے کے اندر زیر زمین سے نکالا، میں ان کا حق ادا نہ کرسکا، ایسا کیوں ہوا۔ میری روح قبض کرنے کے لیے حکم ہوا تھا، تھم گیا۔ پھر موقعہ ملا۔ ایک اور حادثہ میں ۱۲/اگست ۱۹۹۱ء میں شام نو بجے جموں شہر رگھوناتھ بازار سے گذر رہا تھا۔ ۱۸/ ۲۰ شرپسند آوارہ جوانوں نے مجھ پر چاقو اور چھریوں سے حملہ کیا، میرے کانوں میں یہ آواز سنادی ''سُلہ آیا اسنو وڈو'' اتنے میں آگے بڑھ رہا تھا۔ انہوں نے تیز دھار آلے سے وار کیا۔ میں شدید زخمی ہونے کے بعد بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ میرا جسم لہولہان تھا۔ پولیس تھانے گمٹ پہونچا جہاں پر انسپکٹر چودھری فقیر حسین راجدھانی اور شبیر مرزا منشی بہروٹ تھے، انہوں نے بے ہوشی کے عالم میں صدر اسپتال جموں پہونچایا کیونکہ اس دن چار بجے بس اسٹینڈ پر ایک بم پھٹا تھا۔ جب کہ میں جموں سات بجے پہونچا، اُسی کی پاداش میں ناکردہ گناہوں کی سزا میں میری جان بلوائیوں نے لینے کی کوشش کی، کہاوت ہے مارنے والے سے بچانے والا زیادہ بڑا ہے۔

شاید یہی وجوہات تھی مجھے خاک مقدس حجاز کی زیارت کرنی تھی۔ یہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے کہ میں مکہ اور مدینہ جیسی سرزمین کے لیے کچھ لکھوں۔ قلب میں گرمی نہیں دل میں روشنی نہیں۔ دین سے واقفیت نہیں پھر جس دھرتی پر اللہ کے رسول اور

اللہ کی مقدس کتابیں نازل ہوئیں اور کم وبیش سات ہزار سال تک نورانی روشنی اُترتی رہی۔ آخر ساڑھے چودہ سو سال قبل اس مقدس سرزمین پر وہ پیغمبرِ انقلاب آیا جو آخری مکمل دین کی تعلیم دے کر چلا گیا۔ آج وہاں کا ذرہ ذرہ گواہی دیتا ہے کہ یہ پاک صاف خوشبوؤں اور رحمتوں والی سرزمین ہے۔ بقول شاعر ''یقیناً یہ عرب کی سرزمین معلوم ہوتی ہے''۔ روودادِ سفر لکھنا میرا مشغلہ رہا۔ ہندوستان کا سفر بارہا کیا۔ بیرونی ملکوں سنگاپور، ملیشیا، انڈونیشیا، نیپال، بنگلہ دیش میں ان اسفار کو لکھ کر رکھا ہے طباعت کا شوق ہے۔ فرصت کے لمحے درکار ہیں۔ دنیا میں بڑے بڑے لوگوں نے سفر کیے اور ہزارہا سال قبل کے حالات صرف اُن کے تجربات ومشاہدات سے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر انہوں نے ان واقعات کو قلمبند نہ کیا ہوتا تو آج وہ تاریخی اوراق ہمارے سامنے نہ ہوتے۔ آج کی نسلیں ان لوگوں کی مرہونِ منت ہیں جنہوں نے مصائب اور پریشانی اٹھانے کے ساتھ ساتھ لاکھوں روپے خرچ کر کے ان کو مرتب کیا جس میں ابن بطوط، البیرونی، فہیان، ہیون سانگ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ابن بطوط کے سفرنامہ میں سات سو سال قبل کے حیرت انگیز واقعات درج ہیں جن کو آج عقل ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ میں تو کوئی تاریخی کام نہ کرسکا، البتہ میرے ساتھ ہونے والے شب وروز کے واقعات یا جن جگہوں کا مشاہدہ کیا۔ ان کو قلمبند کرنا میرا فرض بنتا تھا۔ اس سے قبل کے سفرناموں میں مجھے دو دفعہ حجاز جانے کا موقعہ ملا۔ سن انیس سو پچاسی اور دو ہزار کے عرصے میں مکہ اور مدینہ میں بہت تبدیلیاں آچکی تھی۔ صحابہ کے کچی اینٹوں کے مکانوں کے کھنڈر، مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان کچا تھا۔، اور مسجد نبوی کے نزدیک دور تک کچی اینٹوں کے دیوار، شہدائے اُحد کی قبریں کھلی میدان کی مانند تھی۔ لیکن دو ہزار میں تبدیلی آچکی تھی، اگر پندرہ سالوں میں اس قدر تبدیلی آسکتی ہے تو سینکڑوں سالوں کے واقعات اور حالات کیا ہوں گے۔ میں ایک طالب علم تھا

اس لیے لکھنا مناسب سمجھا۔ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ میں اس آخری فرض کو آپ تک پہونچانے کی جسارت کر رہا ہوں۔ ایسا ہرگز نہیں، اللہ کبر و غرور سے محفوظ رکھے۔ لوگ دنیا میں بڑے بڑے کام کر جاتے ہیں، کسی کو خبر تک نہیں لگتی ہے۔ شہاب نامہ اور لبیک زیر مطالعہ رہیں۔ جب میں دو مرتبہ دیار مقدس میں حاضری دے چکا تھا ان کتابوں نے میرے اندر روحانی حج کرنے کی تڑپ پیدا کی۔ جس کا انتظار ہے اگرچہ میں حج کی رحمتوں میں غسل کر چکا تھا۔ مصنفوں نے ایسے راز کھولے اور لگا کہ جہاں پر لاکھوں لوگ حجاج کرام حاضری دینے کے بغیر کچھ حاصل نہیں کرتے، وہ دیدار مقدسہ ہی کرتے ہیں۔ اللہ جل وشانہٗ ایسے حج نصیب فرمائے جہاں انسان کی روحانی زندگی میں انقلاب آئے۔ قدرت اللہ شہاب اور دیگر ولیوں نے اس زندگی کا لطف اٹھایا ہے جس کی تصدیق شہاب نامہ نے اور لبیک میں ممتاز مفتی نے کی۔ اہل قلم و زبان کے ہاں تو شاید مذاق ہوگا۔ مجھے اپنی کوتاہیوں اور فنی لوازمات کا بخوبی احساس ہے۔ تکنیکی لفظیات، علامتوں کا ناہموار، لفظوں کا رشتہ وغیرہ۔ اگرچہ سفرنامے میں ان کی ضرورت کم ہے۔ نقاد کی نگاہ ہر دو پہلو پر ہوتی ہے۔ اسی لیے میں پہلے سے ہی اعتراف کرتا ہوں۔ اس کے باوجود میں خندہ پیشانی سے آپ کی فنکارانہ رائے کو اپنے علمی ذخیرے کے لیے باعث مسرت سمجھوں گا مجھے آگاہ کرنا نہ بھولیے اور علمی فرض بھی ادا کیجئے۔ حدیث نبوی ہے اچھی بات اللہ کی امانت ہوتی ہے جس کو دوسروں تک پہونچانا انسانی فرض بنتا ہے۔ میں ایک طالب علم ہوں جس کی تصحیح کرنا آپ کی ذمہ داری بنتی ہے۔ علم مہد سے لحد تک سیکھا جاتا ہے اور پھر قلم و قرطاس سے اُس کی شعاعیں بکھرتی ہیں۔

قیوم نائیک

یہ حسرت رہ گئی پہلے سے حج کرنا نہ سیکھا تھا
کفن بردوش جا پہونچا مگر مرنا نہ سیکھا تھا

پچھلے ایک سال سے میں سخت مایوس اور پریشان کن حالات سے گذر رہا تھا۔ ۱۳/اگست ۱۹۸۴ کو اچانک چار بجے مکان کے نیچے دھب جانے کے بعد اللہ نے دوبارہ زندگی بخشی۔ قدرت وہ کرواتی ہے جس کا انسان کو گمان تک نہیں ہوتا۔ یہ سال پریشان کن گذرا۔ جس میں صحت کی خرابی اور بہت سی مشکلات کا سامنا رہا۔ ان ہی میں اکثر اوقات خواب بھی دیکھتا، وہ کیسے بھی ہوتے، میں ان تمام باتوں سے دل کو مطمئن پاتا۔

ایک شب میں سویا، خواب دیکھ رہا ہوں۔ میں زور وقطار رو رہا ہوں۔ غیبی آواز آتی ہے کیوں روتے ہو۔ میں نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ اتنے میں ایک قبر درمیان سے پھوٹ پڑتی ہے اس میں سے کندھے تک ایک ہاتھ باہر آجاتا ہے۔ السلام علیکم کہتا ہے۔ میں نے جٹ سے ہاتھ پکڑ کر چوما۔ اور پھر سینہ کے ساتھ لگایا جو کافی دیر تک چمٹا رہا۔ پھر وہی غیبی آواز آتی ہے آپ کی مراد پوری ہوگئی ہے۔ اب ہاتھ چھوڑ دو، میرا جی سیر ہو چکا تھا۔ ایسا ہاتھ سینہ سے چپکا مجھے ایسا لگا میرے گناہ دھل چکے ہیں اور میں ایک سفید چادر کی مانند ہو چکا ہوں۔ بار بار اصرار کرنے پر میں نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ قبر بند ہوگئی ہاتھ اندر چلا گیا۔ قبر کچی تھی اوپر لکڑی کا تختہ۔ میں نے برجستہ پوچھا قبر حضرت عمرؓ اور صدیق اکبرؓ کہاں ہے۔ پھر وہی غیبی آواز آتی ہے۔ زینے چڑھیے اوپر دونوں قبریں بھی ہیں اور ایک بزرگ بھی ہیں۔ ان سے ملیے، میں جٹ سے زینے چڑھ کر اوپر گیا۔ دیکھا دو قبریں ایک

درخت کے نیچے ہیں اور ایک بزرگ سفید ریش بوسیدہ مگر صاف کپڑے پہنے ہوئے لمبے قد کے پتلے ایک محراب جیسی جگہ بنی ہوئی ہے۔ اس میں دوزانوں بیٹھے ہوئے ذکر اللہ میں مصروف ہیں۔ اتنے میں نیند سے بیدار ہوا، کچھ اور منظر عیاں تھا۔ کئی بار کعبہ شریف اور مسجد نبوی کی زیارت خواب میں ہوئی۔ کہیں سمندر کو چیرتا ہوا دور خوبصورت شہر مکہ اور مدینہ کا دکھائی دیتا۔ ایسا سلسلہ جڑا رہا۔ جس کی وجہ سے میں نے فیصلہ کیا کہ امسال مقدس دھرتی کا دیدار اِن گنہگار آنکھوں سے کروں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جملے کو قبول کرلیا۔ اگرچہ فارم بھرنے کی تاریخ گذر چکی تھی۔

۱۰ جولائی ۱۹۸۵ء کو جب کہ ریاستی اور مرکزی طور پر تمام سیٹیں بُک ہو چکی تھی، کوشش کی لیکن بے سود۔ اب پاس پاسپورٹ موجود تھا۔ وہی میرے لیے آخری سہارا بن گیا۔ میں نے ایک ساتھی حاجی عالم دین بھٹی اور حاجی اقبال ڈار سے بات کی کیا مجھے حج کا ویزا مل سکتا ہے۔ اُنہوں نے ہاں بھردی۔ اس طرح سے میرے خوابوں کی عملی تعبیر ہونی شروع ہوئی۔ اس کے بعد شوق نے تڑپ پیدا کی کہ میں ہر لمحے سوچتا تھا کہ کب خانۂ خدا کے بعد آقا کے روضے کو دیکھوں۔ میں نے اپنے دیرینہ ساتھی شبیر راتھر سے کہا یہ بڑا خوش نصیب موقعہ ہے۔ اس کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔ شام کو مشورہ ہوا وہ بھی تیار ہو گیا۔ مختصر تیاری کے بعد تیسرے دن زائران کعبہ سوئے، حرم چل پڑے۔ ہم دونوں معصوم اور چھوٹی عمر کے تھے۔ جوانی کے الڑپنے سے گذر رہے تھے۔ میں یہ بھی محسوس کر رہا تھا اس عمر میں اللہ تعالیٰ نے اتنا مقدس فریضہ انجام دینے کے لیے بلالیا۔ ورنہ ہزاروں مال و دولت کے نشے میں چور، عمر بڑھاپے کے حصہ میں، لیکن موقعہ نہیں ملتا ہے، کچھ ارادے کرتے ہیں

لیکن نصیب ہی نہیں ہوتا ہے کہ روضہ رسول پر حاضری دیں۔ ۲۰ جولائی ۱۹۸۵ءکو وہ لمحہ آ ہی گیا مسافران حرم سوئے منزل نکل پڑھے۔ گھر کے قافلہ نے ہماری رہبری بہروٹ سڑک اور کچھ نے راجوری بس اسٹیشن تک کی۔ رخصت لینے کے بعد بس میں بیٹھ گئے۔ والدہ نے شفقت بھرے بوسے دیے۔ گاڑی چل چکی تھی، جدائی کی وجہ سے سینہ غم سے نڈھال ہو چکا تھا۔ گاڑی چلتے ہی میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ادھر والدہ اور دیگر اہل خانہ میرا حوصلہ باندھ رہے تھے۔ شبیر صاحب اپنا توازن پہلے ہی کھو چکے تھے۔ ہم پر رونے سے رقعت طاری ہو چکی تھی۔ اتنے میں کسی مسافر نے گاڑی سے کہا آپ بڑے خوش نصیب ہو۔ بیت اللہ کا سفر اتنی عمر میں کرنے جارہے ہو۔ ہم کچھ خاموش ہو گئے۔ جوں توں پچھلی یادیں اور اگلا سفر۔ دونوں ذہن میں گھوم رہے تھے۔ چھ گھنٹہ سفر کرنے کے بعد ہمارے ضلع کی لاری بھی بس اڈہ جموں پر ہم سے بچھڑ گئی۔ بس اسٹینڈ پر کچھ کھانا تناول کیا۔ پھر سیدھے ریلوے اسٹیشن پر جا پہونچے۔ جہاں پر ہمیں بمبئی ایکسپریس کا ٹکٹ معہ ریزرویشن کے مل گیا۔ شب نو بجے سفر شروع ہوا۔ میں نے اس سے قبل بارہا یہ سفر کیا تھا۔ میرا ساتھی اجنبی تھا۔ کیونکہ ہمیں حج ویزا بمبئی سے ہی ملنا تھا۔ ان دنوں بمبئی ہی سے ہندوستان کے تمام حجاج کرام جاتے تھے۔ وہ حج چارٹر ہوں یا انٹرنیشنل سروس جموں سے بمبئی کا بھی بڑا دلکش سفر ہے۔ سفر اگرچہ پریشانیوں اور کٹھنائیوں سے بھرا رہتا ہے مگر سیاح مختلف زمینی علاقہ، بستیاں اور لوگ وتہذیب وثقافت دیکھتا ہے۔ تو اس کا علم اور تجربہ بڑھتا رہتا ہے۔

جموں سے دہلی تو رات کا سفر تھا۔ دہلی سے آگے کچھ مقامات اور ریاستیں پار کرتے گئے، یوں دیکھنے کا موقعہ ملا اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان رقبے

اور آبادی کے لحاظ سے کتنا عظیم ملک ہے۔ جو پہاڑیوں کی چوٹیوں سے لدا ہوا اور میدانی علاقہ پر پھیلا ہوا کتنا خوشنما لگتا ہے۔ تمام ریاستوں میں مقامی فصلیں لدی ہوئی تیار۔ ہر موسم میں اللہ نے ہر جگہ کے لیے اپنی ہی خوبی رکھی ہے۔ مونگ پھلی، کیلے، سنترے، گنے اور کپاس کے کھیت ہر طرف لہلاتے ہرے بھرے پکی فصلیں ہر موسم میں تیار ملیں گی۔ اسی لیے ہندوستان جیسے ملک پر آریہ سے لے کر انگریز تک ساری دنیا کی قومیں مرمٹتی تھی اور ہندوستان کو لوٹنے، مزے لینے، آرام و آسائش کی آماجگاہ بنایا تھا۔ دلی سے آگے سفر ان مقامات سے ہو کر گذرا۔ متھرا، برت پور، جے پور، شمہ گری، انڈور، رہتلام، گودارہ، احمد آباد، بڑچ، صورت، باندراہ، داور اور بہت سے مقامات سے ہو کر ہم تیسرے دن مسلسل سفر کرنے کے بعد بمبئی پہنچ ہی گئے۔ تھکاوٹ، کھانا اور دیگر سفری لوازمات سے ہم تنگ آ چکے تھے۔

ہمارے ساتھیوں کے قافلے میں حاجی عالم دین بھٹی، مرحوم حاجی اقبال ڈار، مرحوم حاجی ابراہیم ڈار بمبئی میں سارے انتظار کر رہے تھے۔ دوسرے ہی روز ہم نے پاس پورٹ جمع کروائے، معلوم ہوا ہمارے ساتھی شبیر صاحب کے پاس پورٹ کی معیاد ختم ہے، پہلے تجدید ہوگی۔ بعد میں ویزا ملے گا۔ جس کی وجہ سے ہماری فلائٹ ہونے میں بہت دن لگے۔ آخر ہماری فلائٹ بیس یوم کے بعد ہوئی۔ یہ ایام بمبئی شہر کی گود میں گذارے اور اسی بہانے بمبئی شہر کو پوری طرح دیکھنے کا موقع ملا۔ شاید ایسا کبھی اور نہ ملتا۔ بمبئی بھی کیا خوب جگہ ہے لیکن زرداروں کے لیے۔ یہاں کی فضائیں ہوائیں، وفائیں بھی کیا خوب دلکش ہیں یہاں کا موسم بڑا دلکش سہانا پورے سال قدرے یکساں رہتا۔ دن رات میں کوئی فرق و تمیز نہیں۔ بارش، دھوپ، سرما، گرما، برسات ایک جیسے

ہوتے ہیں۔ سمندر کے کنارے اکثر اوقات ملکوں کے موسم ایسے ہی ہوتے ہیں صرف وہ گرم مرطوب ہونے چاہیے۔ بمبئی کی مارکٹیں، مساجد اور ہوٹل تقریباً پوری رات کھلے رہتے ہیں۔ خرید وفروخت ہوتی رہتی ہے۔ صرف کچھ مارکٹیں تین چار گھنٹے کے لیے بند ہوتی ہے۔ بمبئی میں ۲۵ فیصد لوگوں کو رہنے کے لیے جگہ نہیں ہے اور ۵ فیصد فٹ پاتھ پر سوتے ہیں۔ یہاں کا مزدور بھی لاکھ پتی ملے گا۔ امیر اور سرمایہ داروں کا کیا کہنا۔ جہاں پر حاجی مستان جیسا آدمی قلی سے ترقی کرتے کرتے ارب پتی بن گیا تھا۔ یہاں کی تجارتی منڈی پوری دنیا پر قبضہ جمائے ہوئی ہے۔

تعلیمی، اخلاقی اور تہذیبی فضا سے بھی بہت متاثر ہوا۔ مزدور سے آفیسر تک اخلاقیات، اسلامیات میں گُم، لیکن تلاش معاش میں اسلامی مساوات ختم، چوری، دھوکے، دونمبر کے بھی قصے اکثر سنائی دیے۔ بمبئی میں ٹھہر کر سمندر کی لہروں کو کشتی کے ذریعے دیکھنے کا موقع ملا۔ بندرگاہیں، مال منڈیاں، فلم شوٹنگ، یونیورسٹیاں، کالج، مدرسے، سکول، مساجد، خانقاہیں اور بڑے عالیشان ہوٹل اور عمارتیں دیگر سیاحتی جگہوں کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ بمبئی کی عیاشی کو لوٹنے کے لیے دنیا بھر سے لوگ آتے ہیں جن میں عربی لوگوں کو اکثر اس لیے دیکھا گیا کیونکہ وہ عربی لباس میں ہوتے ہیں۔ بڑے عیاش بھی ہیں۔ بمبئی میں سیر وتفریح کے ناطے ضرور ایک دلہن کو ساتھ لے جاتے ہیں۔ مفلسی کے شکار لوگ کم سن لڑکیوں کو ان کے عقد میں دیتے ہیں۔ یہ تمام روز حاجی صابو صدیق مسافر خانے کی نذر ہو گئے۔ حاجی صابو صدیق ایک بہت بڑے رئیس بزرگ ہوئے ہیں جنہوں نے بہت بڑی عمارت تعمیر کر کے حجاج کرام کے لیے وقف کردی ہے۔ جس میں چھ ہزار سے زیادہ لوگ بیک وقت قیام

کر سکتے ہیں۔اس کے درمیان میں ایک دلکش خوبصورت مسجد شریف ہے جس میں کم وبیش تین سو افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ فجر سے عشاء تک کی نمازیں یہاں ہی ادا ہوتی تھی۔ یہ غالباً تبلیغی جماعت کا مرکز ہے۔اسی طرح سے تبلیغی جماعت والوں کے پاکیزہ خیالات سنتے رہتے تھے۔ دینی شعور، اور شوق تو مجھے بچپن سے ہی والدِ مرحوم کی دین تھی۔ دینی محفلوں میں بیٹھنے سے عقائد کی پختگی، مسائل کی واقفیت، علم کی روشنی ملتی رہتی ہے۔

یہی شوق میرے لیے علم کی تلاش بنتا گیا۔تبلیغی جماعت والوں کا دوسرا نام اللہ والے ہیں یہ ہندوستان میں اسی نام سے مشہور ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں جو لوگ تن من دھن سے جماعت کے ساتھ جڑ جاتے ہیں وہ اللہ والوں کا مقام پاتے ہیں۔ یہ بھی دین کے شیدائی ہوتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ آقائے مدنی اور صحابہ کا دین لوگوں کی عملی زندگی میں آجائے۔اور یہی اللہ کا منصوبہ تھا۔اسی لیے یہ آیت کریمہ پکار کر کہہ رہی ہے: ''ادخلوا فی السلم کافۃ''۔اللہ تعالیٰ نے ان تبلیغوں کے دلوں و روحوں کو ایمانی بصیرت سے سرشار کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے اکثر اللہ والے جب دین کی بات کرتے ہیں تو وہ خوف خداوندی سے اشک بار ہوتے ہیں۔اور تمام مجمع میں وہی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ یہ ان کی دعاؤں اور محنت کا ثمرہ ہے۔ ہر ذی حس انسان گناہوں پر نادم اور اشک ندامت بہاتا رہتا ہے۔ یہ منظر میں بمبئی کے جماعتوں کا بیان کر رہا ہوں۔ مجھے بھی چند دن ان کے ساتھ گذارنے کا موقعہ ملا اور سکون حاصل ہوا۔ان کے نظریے میں غالباً جہاد کی اتنی اہمیت نہیں ہے جب کہ پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کم وبیش ستّر (۷۰) سے زائد جنگیں لڑیں۔ علمائے کرام نے اسلام کو کافی پیچیدہ بنا دیا ہے۔ ہر طبقہ اپنے نظریے سے پیش

کررہاہے اور حتمی رائے دے رہا ہے۔ حقیقت کیا ہے پیغمبر کا دینی مشن کیا تھا، اس کی بھی صحیح عکاسی غالباً کوئی نہ کرسکا۔ اسی لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری اُمت میں ۷۳ فرقے ہوں گے اہل حق کون سا ہوگا وہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ بمبئی میں تبلیغی جماعت والے حجاج کرام کو عملی طور پر حاجی بنا کر روانہ کرتے ہیں۔ کلمہ سے لے کر نماز کی اصلاح عمرہ وایام حج کے ارکان کے مسائل، احرام باندھنا وغیرہ یہ تمام طریقے وہ اللہ والے بتاتے ہیں جس سے حاجی کی بہت سی پریشانیاں کافور ہوجاتی ہے۔ اس طرح سے ارکان حج ادا کرنے آسان ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے ہاں تبلیغی اس ثواب و برکت والے کام سے بے نیاز رہتے ہیں۔

حج ویزا لگ چکا تھا پاسپورٹ اور ٹکٹ مل چکی تھی۔ شام کو فلائٹ تھی۔ بمبئی میں چند دنوں ٹھہرنے سے بہت سے لوگوں سے متعارف ہوچکے تھے۔ ان حضرات سے اجازت طلب کی نقدی رقم کے عوض کچھ سامان خرید کیا تاکہ مکہ مکرمہ میں ریال دستیاب ہوسکیں۔ سامان میں لکڑی کی تسوہات، اسلامی کلینڈر، چابیوں کے چھلے تھے جن پر کلمہ طیبہ نقش تھا۔ شام کو کار کے ذریعے ہوائی اڈہ پر پہونچے۔ ایئرپورٹ میں داخل ہوتے ہی عجیب حالات سے گذرنا پڑا، حج کی پاکیزگی اور پھر ماڈرن دور کی لڑکیاں بھی کیسے لباس میں ملبوس، میں سوچ رہا تھا کیا میں پسماندہ ہوں یا یہ ماڈرن ہیں۔ خیر نو بجے شب ہماری سعودی ایئرلائنز سے فلائٹ تھی۔ اعلان ہوا جہاز میں داخل ہوجاؤ۔ سامان وغیرہ پہلے بھیج دیا تھا۔ جہاز میں داخل ہوتے ہی ایئرہوسٹس نے ہمارا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور سیٹوں پر لے جا کر بٹھادیا۔ جہاز ایک گھر کی مانند ہوتا ہے، جہاں ہوا کا ایک ذرہ بھی داخل نہیں ہوتا، جدید سامان سے

لیس۔ اندر خوبصورت منظر، سیٹیں نرم مخملیں پاؤں میں بچھی ہوئی بہترین غسل خانہ، سرد گرم پانی، صابن تیل، خوشبو موجود۔ انسان کی کاریگری بھی کیا چیز ہے۔ اللہ نے کیا ذہن دیا، پھراس پر محنت کی اور اسی طرح سے ہوا پر فتح حاصل کی۔ مجھے جرمنی کے رائٹ برادرس یاد آ گئے۔ ان لوگوں نے کیا کیا قربانیاں پیش کیں۔ اوران ہی کی قربانیوں کی وجہ سے آج ہم ہزاروں میل کا سفر گھنٹوں میں طے کرتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کے تخت کا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ ہوا کو حکم ہوتا تھا ہوا سیکنڈوں میں ہزاروں میل کا سفر کرتی تھی۔ وہ خدائی قدرت یہ انسانی محنت کے ساتھ ساتھ اللہ کی عنایت۔ خیر جہاز کا اندرونی منظر بڑا خوبصورت تھا جس میں تین سو کے قریب زائرین اور کچھ مسافر بھی تھے۔ یہ دس بجے شب ہم کو اٹھا کر لے چلا۔ اُڑان بھرتے ہی ہوسٹس نے ضروری ہدایات اور پیراشوٹ کا استعمال کرنے کا طریقہ بتلایا، ٹافیاں تقسیم ہوگئیں۔ اب ہم پوری طرح اللہ کے حوالے تھے۔ جہاز کے اڑان بھرنے سے لے کر مدار میں پہونچنے تک مسافروں کو جھٹکے محسوس ہوتے ہیں۔ بوڑھے اور بچے گھبرا بھی جاتے ہیں۔ مسافروں کو بیلٹ باندھنے کی تلقین ہوتی ہے۔ اب جہاز اِن کیفیتوں سے گذر کر مدار میں پہونچ چکا تھا۔ یہ کوئی نہ سوچے جہاز پائلٹ یا مشین پر ہی چلتا ہے بلکہ اس کے برعکس ہوا۔ میں اس کو اڑانے والا کون ہے صرف اللہ کی ذات۔ ورنہ واقعی یہ لوہا ہے غالباً ایک گھنٹہ سفر کرنے کے بعد اچانک پائلٹ نے اعلان کیا: حجاج کرام دعا فرمایئے جہاز میں کچھ خرابی سی آ گئی ہے۔ اعلان سنتے ہی مسافر موت اور زندگی کی کشمکش سے دوچار تھے۔ اور شائد ہمارے آخری لمحات تھے۔ ہر ایک بارگاہ ایزدی میں دعا گو تھا اللہ اس مصیبت سے چھٹکارا دے۔ پائلٹ حوصلہ بھی دے رہا تھا۔ سارا قافلہ

ایک ہی دروازے پر کھڑے اپنے اپنے طریقے سے پکار رہے ہیں۔ آج ہماری سن لے۔ اچانک دس منٹ کے بعد پائلٹ نے اعلان کیا حاجیو تم بڑے خوش نصیب ہو اللہ نے کسی کی دعا کو قبول کر ہی لیا ہے جہاز ٹھیک ہو چکا ہے۔ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ یہ کیسا لمحہ تھا۔ موت کا اعلان ہو چکا تھا۔ پھر زندگی دینے والے فرشتے نے اعلان کیا۔ ابھی تمہاری زندگی باقی ہے۔ تم نے ابھی اپنے دامن کو خوب گناہوں سے بھرنا ہے۔ میں تمہیں موقعہ دیتا ہوں۔ اس وقت تک جب وہ موقعہ ہوگا مہر لگی ہوگی منہ پر اور بات کریں گے ہاتھ اور شہادت دیں گے پاؤں۔ وہ لمحہ کیسا ہوگا۔ پائلٹ کا اعلان سنتے ہی مسافروں میں جان آ گئی۔ اسی حالت میں کون خرابی دیتا ہے اور پھر درستی کرتا ہے اللہ جل شانہٗ کے کام ہیں۔ وہ انسانوں کے ذہنوں کو کھول دیتا ہے پھر اسی جہاز کا عملہ ٹھیک کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہوا کو کہے مت کام کر ایک منٹ کے اندر ساری کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اللہ نے ہر چیز کو ہماری نگرانی کے لیے رکھا ہے۔ پانی، ہوا، زمین و آسمان کا توازن نہ جانے کیا کیا ہمارے مطیع ہیں۔

رات گیارہ بجے کے قریب ہمیں کھانا مہیا کیا گیا۔ جس میں عربی چاول، مرغی، بریڈ کے ٹکڑے اور کچھ ضیافتیں شامل تھی۔ مسافر کی سیٹ کے ساتھ ایک پلیٹ ہوتی ہے۔ بٹن دبانے سے وہ ٹیبل کا کام کرتی ہے اس پر یہ تمام مشروبات رکھ کر نوش کی جاتی ہیں۔ مزید توقف کے بعد ایک عربی چائے کا دور چلا جس میں مٹھائی وغیرہ بھی پیش کی گئی۔ ہمارا سفر بڑھتا گیا غالباً ہمارا جہاز کویت اور ریاض کے ہوائی اڈہ پر بھی اُترا اس ملک میں کچھ مسافروں نے سیٹیں خالی کی اور پھر کچھ نے پُر کی۔ مسافروں کے سیٹ کے ساتھ ایک چھوٹا

ٹی وی ہوتا ہے جو ہر پل کی خبر دیتا ہے۔ جہاز کس سمت جا رہا ہے کہاں سے گذر رہا ہے کس رفتار پر چل رہا ہے۔ یہ تمام خبریں وہ فراہم کرتا ہے۔ باقی ماندہ مسافروں کو باہر جانے نہ دیا یہ بڑا خوبصورت شہر اور ہوائی اڈہ ہے۔ یہاں قدرت کی بے پناہ دولت سے مالا مال ملک چاروں طرف چمکتا ہوا سونے کی قندیلوں سے سجا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں سے پھر جہاز نے اڑان بھری۔ سیدھا ریاض جو عرب کی راجدھانی ہے رات ساری بیت چکی تھی۔ مسافر نیند کے جھونکوں میں مصروف تھے جیسے کہ وہ اپنی خواب گاہ میں آرام فرما رہے ہیں۔ ریاض پہونچنے پر جھٹکا لگا۔ سب جاگ گئے۔ ریاض سعودی عرب کی راجدھانی ہے۔ یہ بھی سونے اور تیل کے ذخائر سے مالا مال ملک دور تک رات کی تاریکی میں سونے کی قندیلوں سے چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ روشنی ہی روشنی کے منارے دلکش منظر ایسا سماں ہے جیسا کہ کوئی خاص تقریب میں کسی عمارت کو چراغاں کیا جاتا ہے۔ باہر کے ملک اکثر ترقی یافتہ ہیں اس لیے ملک کی ترقی کے لیے ہر قسم کی سہولیتیں میسر ہیں۔ دبئی، کویت اور ریاض کے شہروں میں جب جہاز بلندی سے دیکھو تو سڑکیں سفید سیاہ دھاگے کی مانند اور اس پر چلنے والی گاڑیاں چوہے کی مانند رقص کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ چاروں طرف مساجد کے میناروں سے روشنی کے فوارے پھوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

اب ہم ریاض کی سرزمین پر تھے۔ ریاض سعودی عرب کی راجدھانی وہ عرب جس پر آدم سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اصحاب رسول کے قدم مبارک لگے ہوں۔ وہ عرب جہاں سے روشنی کا منبع اور نور الٰہی کا دریا پھوٹ نکلا۔ وہ عرب جہاں سے دین احمد چمکا اور اس کی کرنوں نے اپنی ضیا

پاشیوں سے ساری دنیا کو منور کیا۔ وہ عرب جس نے عورتوں، غلاموں، یتیموں اور بیواؤں کو مظالم سوز ظلم سے نجات دی۔

وہ عرب جہاں پر آخری کتاب مقدس نازل ہوئی اور وہ ساری انسانیت کے لیے نجات کا سبب بنی۔ وہ عرب جس میں آخری پیغمبر، مرسل عالم، نور ہدایت اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن کر آیا۔ اب میرے پاؤں اُسی دھرتی پر پڑ چکے تھے۔ میں شرما رہا تھا اپنے ناپاک جسم کو کیسے اس پاک دھرتی پہ چلاؤں۔ میں اسی تذبذب میں تھا ہمارے سامنے ایک گاڑی آئی۔ جس میں بٹھا کر زیر زمین کہیں دور لے جا کر ایک مسجد شریف کے سامنے اتار گیا۔ مسجد میں داخل ہوتے ہم بیت الخلاء میں چلے گئے۔ کیا کہنا سرد گرم دونوں پانی کے علاوہ تیل، صابن، خوشبو، عطر وغیرہ لگی ہوئی ہندوستان میں بڑے بڑے شہنشاہوں کے ہاں بھی ایسا نظام نہ ہوگا، غسل کر کے ہم نے احرام دوبارہ باندھا۔ نماز عشاء، تہجد اور شکرانہ ادا کیا۔ عرب کی پاکیزگی اسی مسجد شریف سے عیاں ہوئی۔ غالباً ایک گھنٹہ کے بعد ہمیں دوسرے چھوٹے جہاز میں بٹھایا گیا۔ جس میں ایک سو پچاس کے قریب زائرین تھے۔ یہاں پر تمام زائرین نے احرام باندھ لیے تھے اور ترانہ لبیک گا رہے تھے۔ سارا جہاز لبیک کی صداؤں سے گونج اٹھا۔ غالباً تمام زائر گناہوں پہ نادم آنکھیں اشک بار، اسی کیفیت میں، ایک گھنٹے کے بعد ہم جدہ ائیر پورٹ پر پہونچ ہی گئے۔ غالباً صبح کے پانچ بج چکے تھے۔ زائرین کو نیند کے جھونکوں، تھکاوٹ اور گرمی سے جم پژمردہ تھے ادھر اذان فجر ہو رہی تھی۔ ہم نے نماز ایرانیوں کے ایک گروپ کے ساتھ ادا کی۔ یہاں کا منظر عجیب سا لگا۔ ہر فرد و بشر سفید احرام میں ملبوس دنیا کے ہر خطہ سے آئے ہوئے بھانت بھانت کی زبانیں بولنے والے سرزمین ارض مقدس پر

صرف لبیک کی تلمیح پڑھتے ہوئے۔ چاروں اطراف صرف سفید چلتے ہوئے جنازے دکھائی دے رہے ہیں۔ معلم فیس تنازل کی رقم ،جمع کروا کر پاسپورٹ کا انتظار تھا۔ جو دن کے گیارہ بجے ملا۔ تب تک نیند کے بوجھ سے قدرے راحت ملی اور پھر ناشتہ کیا۔ ایک عربی روٹی اور ایک مرغی پانچ ریال میں پیٹ تو بھر گیا لذت نہ ملی۔ اس سے قبل کسٹم آفیسر سے فارغ ہو چکے تھے۔ میرے ایک ساتھی کا سامان کسٹم آفیسر کے پاس ضبطی میں تھا۔ بڑی کوشش کے بعد چھڑایا۔

اب دن کے بارہ بج چکے تھے۔ اب مکہ مکرمہ کی گاڑی کے لیے روانہ ہو گئے۔ فی کس نے پندرہ ریال جدہ سے مکہ مکرمہ کے لیے کرایہ دیا۔ آج ریال کی قیمت ہندوستانی ساڑھے چار روپے ہے۔ مجھے ٹکٹ معلم فیس اور تنازل کے لیے ہندوستانی تیرہ ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں۔ گاڑی چل پڑی۔ اب میں نے اندازہ لگانا شروع کیا۔ میرا تصوراتی مکہ کیا یہی ہے لیکن ایسا نہ لگا۔ تپتی ہوئی ریت گرم ہوا کی لو۔ صحرا میں خونخوار، سرخ جلے ہوئے پہاڑ، تا حد نظر دکھائی دے رہے ہیں۔ اس طرح گرمی کی لو میں اڑتے ہوئے ریت کے ذرے بھی ہمارا والہانہ استقبال کر رہے تھے۔ غیر ملکی اجنبی لوگوں پر خوف سا طاری ہو جاتا ہے۔ ابھی تھوڑے ہی دور پہونچے تھے۔ میں نے لاتعداد کاروں کا جم غفیر غالباً تین چار سو کے قریب میدان میں پڑے ہوئے دکھائی دیا۔ میں نے معلم سے دریافت کیا یہ کیا وجہ ہے جو پاکستانی تھا اُردو میں بات کرتا تھا اُس نے بتایا یہاں جو گاڑی تھوڑی سی خراب ہو جاتی ہے۔ مالک اس کو وہیں چھوڑ جاتا ہے۔ پھر محکمہ بلدیا کے ملازمین آتے ہیں۔ ان کاروں کو ویران جگہوں پر چھوڑ جاتے ہیں یہ یہاں ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ پتہ چلا

یہاں میکنک جتنی رقم وصول کرے گا اس سے کم میں نئی گاڑی آئے گی۔ اگر وہ گاڑیاں ہندوستان میں ہوتی اُنہیں پالش اور درستی کر کے دوبارہ نئی قیمت وصول کرتے۔ سفر نیا تھا، میں ٹکٹکی لگا کر جدہ سے مکہ کے پہاڑوں اور ریتلے میدانوں کو بغور دیکھ رہا تھا اور یہ بھی محسوس کر رہا تھا۔ یہاں کا چپہ چپہ میرے لیے باعث رحمت اور برکت ہے۔ شاید یہاں بھی پیغمبروں، صحابہ کے قدم مبارک اس خطہ پر لگے ہوں۔ میں اسی شوق، محبت اور عظمت پیغمبری نے مجھے تلاش میں لگا دیا۔ میں ہر چپہ کو مکہ اور مدینہ کی مسجد سمجھتا تھا، اسی عالم میں ہم مقام میقات جا پہونچے، جہاں پر زائرین کو زمزم کا تحفہ پیش کیا جاتا ہے۔ مجھے بھی دو بوتلیں ملی۔ میں نے بسم اللہ کر کے اینڈیل دی، اللہ کا شکر ادا کیا۔ یہ حضرت حاجرہ کی قربانی اور حضرت اسماعیلؑ کا اخلاص تھا، جس سے میں مستفید ہو رہا تھا۔ میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں دیار حرم میں حاضری دوں گا۔ پھر مقدس زم زم سے گناہوں کے بھرے ہوئے پیٹ کی پیاس بجھا سکوں۔

یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی مہربانی تھی جس نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں اس قیمتی تحفے سے مستفید ہوا ہوں۔ ڈھائی بجے مقدس شہر اور پھر روئے زمین کا مقدس گھر کعبہ میں داخل ہو گئے۔ ہم نے اپنا سامان دور ایک پہاڑی پر رکھا، میں نے ساتھیوں سے پوچھا اس کو کوئی چرائے گا تو نہیں ساتھیوں نے کہا اگر ایک مہینہ تک یہاں رہے گا اس کو کوئی دیکھے گا بھی نہیں۔ آج شکروار تھا نماز جمعہ ہو چکی تھی۔ میں دل ہی دل میں شرمسار تھا کہ کون سامنہ لے کر چلوں۔ یہاں تو اللہ اپنے نیک بندوں کو بلاتا ہے، پھر دیدار سے نوازتا ہے۔ یہ انبیاؤں کا مرکز رہا۔ جہاں حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون،

حضرت یحیٰی، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت یعقوب، حضرت داؤد، حضرت شعیب، حضرت صالح، حضرت یونس علیہم السلام اجمعین اور آخر میں رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیے۔ اگرچہ فلسطین، شام، عراق اور مکہ ہی ان کا مسکن رہا، زیادہ تر انبیاء مکہ میں حج اور کعبہ کی تعمیر کے لیے حاضری دیتے رہے۔

یہ رحمتوں، بخششوں اور مغفرت کی دھرتی ہے اللہ نے اپنے پیارے انبیاء کے ہاتھوں سے کعبہ کی تعمیر کروائی۔ پھر بیت اللہ نام رکھا، اللہ جل شانہٗ نے اپنی کرسی بھی بیت المعمور پر رکھی جو اس کعبہ کے عین اوپر ہے اس لیے زمین پر سب سے مقدس مقام صرف خانہ کعبہ ہے اور آسمان پر بیت المعمور جہاں ستّر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں۔

مجھے پسینہ چھوٹ رہا تھا۔ گناہوں پہ نادم، آنکھیں اشک بار، بار بار ماضی کی غلطیوں پر نادم ہو رہا تھا۔ پھر سوچ رہا تھا۔ اللہ نے مجھے اپنے رحمت کے دروازے پر بلالیا ہے۔ میں یقیناً بڑا خوش نصیب ہوں آج شکر وار تھا نماز جمعہ ہو چکی تھی ہم نے نماز ظہر حرم پاک کے باہر کچے سیمنٹ کے فرش پر باجماعت ادا کی دعائیں مانگنی شروع کی نظریں حرم کے میناروں پر جاکر ٹھہری۔ دل باغ باغ ہو رہا تھا اور حسرت تھی کہ کب اندر کا منظر جاکر دیکھیں اتنے میں امیر قافلہ نے تمام کو اکٹھا کر کے باب السلام سے ہم سب کو مسجد حرم میں داخل کیا۔ میں نے اپنی نظریں بالکل نیچے جھکائی ہوئی تھیں۔ جب عین بیت اللہ کی گود میں پہونچا تو سر اوپر اٹھایا۔ نظریں بیت اللہ پر لگا دی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور میری پہلی دعائیہ کلمات یہ تھے: اے اللہ میری تمام دعاؤں کو ہر مقام پر قبول فرمانا۔

پانچ منٹ خوب جی بھر کر کعبہ کا دیدار کیا۔ پھر دو رکعت شکرانہ کعبہ کو دیکھنے پر ادا کیے۔ اس کے ساتھ ہی طواف کعبہ شروع کیا۔ سات چکر کاٹنے کے بعد مقام ابراہیم پر دو نفل شکرانہ بھی ادا کیے۔، اس طرح سے یہ تمام اوقات صرف دعاؤں میں اور آنسوں بہانے میں گزرے۔ عالم انسانیت اور گھر والوں کے لیے دعاؤں کی بارش برسا رہے تھے۔ یہاں سے فارغ ہوتے ہی زمزم خوب سیر ہو کر پی لیا۔ پھر سعی کرنے، صفا اور مروا گئے، ساتوں چکر کاٹنے کے بعد مقام مروا پر دو نفل شکرانہ ادا کیے اور بعد دعا باہر نکل آئے۔ جہاں جناب الحاج محمد حفیظ بٹ اور غلام نبی صاحب مستان درا پونچھ نے ہم دونوں ساتھیوں کے بال کٹوائیے۔ پھر غسل کروایا، اب کیا تھا کہ ہمارا عمرہ مکمل ہوا محسوس کر رہا تھا۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں۔ آج میں نے وہ عمل کیا جس کو میرے پیارے انبیاء اور صحابہ نے کیا تھا۔ حضرت آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جو نبیوں نے کیا تھا میں وہ عملی طور کر رہا تھا۔ آج میں رحمتوں کی بارش میں ڈوبکیاں کھا رہا تھا۔ اس طرح سے اللہ جل شانہٗ مجھے بڑے نزدیک سے دیکھ رہا تھا۔ یہ دلکش منظر اس وقت ختم ہوا۔

جب میں واپس اس جگہ پہونچا جہاں پر چاہ زمزم ہے کھلا وسیع تازہ خوبصورت میٹھا پانی منوں بھی پی لوں۔ پیاس نہیں بجھتی اور پھر تمام بیماریوں کی شفاء اسی میں ہے۔ مجھے حضرت ابراہیمؑ کی وہ کہانی یاد آ ہی گئی کہ وہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ جو شیر خوار بچے تھے دونوں کو تن تنہا اس وسیع سنسان بیابان جنگل میں چھوڑ کر چلے گئے، حضرت ہاجرہ نے پوچھا آپ ہمیں چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو۔ تو حضرت ابراہیم نے فرمایا یہ رضائے ربی اور مشیت الٰہی ہے پھر حضرت ہاجرہ نے برجستہ جواب دیا: ہماری کیا مجال ہے کہ اللہ کے حکم کی

نافرمانی کریں جب کہ مکہ چاروں طرف سنسان جنگل خونخوار جانوروں پہاڑوں اور پرندوں کی آماجگاہ تھا کس کو خبر تھی اس معصوم بچے اور حضرت ہاجرہ کے رہنے کے بعد یہ ساری کائنات کا مرکز بنے گا۔ اس کا علم صرف اللہ کو تھا۔ آج میں اُسی بستی اور ان دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں کھڑا تھا۔ جہاں حضرت اسماعیل پانی کی ایک بوند کے لیے تڑپ اور ترس رہے تھے۔ حضرت ہاجرہ صفا سے مروا پانی کی تلاش میں چکر کاٹ رہی تھی۔ واپس آئے دیکھا حضرت اسماعیل کے پاؤں کی ایڑی کے نیچے کچھ نمی محسوس ہوئی۔ حضرت ہاجرہ نے کریدنا شروع کیا۔ تو نیچے سے پانی پھوٹ نکلا یہ کتنی خوشیوں والی گھڑی تھی جب حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کی مراد پایہ تکمیل کو پہونچی پانی زیادہ نکل پڑا۔

حضرت ہاجرہ نے کہا زم زم۔ زم کے معنی ٹھہرنے کے ہیں۔ اسی لیے اس کا نام زمزم پڑ گیا۔ میں آج یہ بھی دیکھ رہا تھا یہ وہی پہاڑ ہے جہاں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مشرکین مکہ کو دعوت دیتے تھے۔ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر تمام قبائل کے سرداروں کو یہ آواز لگا دی۔ اے بنی قریش، بنی فہر، اے بنی عدنان، تمام لوگ اکٹھے ہوتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے واحد ہونے اور شرک سے بچنے کی دعوت دیتے۔ جہنم سے بچنے اور جنت حاصل کرنے کے لیے کہتے۔ ابوجہل اور ابولہب بھی شامل ہوتے۔ وہ کہتے تو تباہ ہو جا۔ اسی لیے تو نے بلایا۔ آخر اللہ نے قرآن میں سورۃ اللھب اُتاری جس سے ابولہب تباہ و برباد ہو گیا۔ اس لیے بھی کوہ صفا دین کی دعوت کا منبر تھا۔ میرے سامنے خانہ کعبہ ہے۔ یہ وہی کعبہ ہے جس کو خانۂ خدا کہتے ہیں۔ جس کی پہلی بنیاد حضرت آدم نے ڈالی تھی۔ اور اس کی نشاندہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ عزوجل کے حکم سے دی تھی۔ حضرت آدم کے بعد بارہا خانہ خدا شہید ہوا، تعمیر

ہوتا رہا۔ پھر طوفان نوح میں زیر آب آ گیا تھا۔ آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت آدم کی ہی بنیاد پر اس خانہ خدا کی تعمیر کی۔ حضرت اسماعیل بھی ساتھ رہے۔ بڑے بڑے پہاڑوں کو سیدھے کرتے اور کعبہ کی تعمیر کرتے۔ ہم نے یہ بھی پڑھا ہے کہ اس کی تعمیر میں فرشتوں، جنوں نے کام کیا، تب ہی اتنے بڑے پتھر چٹانوں کی مانند دس سے بارہ فٹ لمبے اور دو تین فٹ اونچے بالکل نیلے پتھر جو ہمارے ہاں دریاؤں میں ہوتے ہیں لگے ہیں۔ ایک خاص پتھر جس پر حضرت ابراہیمؑ چڑھ کر کعبہ کی تعمیر کرتے جس پر حضرت ابراہیمؑ کے پاؤں کے نشان بھی ہیں۔ اس پتھر کو اب مقام ابراہیم کہا جاتا ہے۔ ان کے بعد بھی یہ شہید ہوتا گیا اور اس کی تعمیر وقتاً فوقتاً ہوتی گئی۔ یہاں تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور میں بھی کعبۃ اللہ کی تعمیر ہوئی۔ جس میں حطیم کا حصہ چھوڑ دیا گیا۔ پھر حجر اسود کو اپنی جگہ رکھنے کے لیے مشرکین میں جھگڑا ہونے والا تھا۔ جس پر تمام نے مل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت پر فیصلہ کیا جو کل صبح مسجد حرام میں داخل ہوگا وہی حجر اسود کو رکھے گا۔ دوسرے دن دیکھا گیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے۔ جو سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوئے۔ اب سارے حیران ہو گئے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ دیا اور رائے پیش کردی۔ چاروں سرداروں کو بلایا جائے۔ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھا گیا۔ چاروں قبائل کے سرِداروں نے چادر کے کونے پکڑے اور چادر وہاں تک لے گئے جہاں حجر اسود کو رکھنا تھا۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجر اسود کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر اُس مقام پر رکھا جہاں حجر اسود آج موجود ہے۔ اس طرح سے ایک بہت بڑی جنگ ٹل گئی۔ میں نے آج پہلے دن ہی اس کو بوسہ دے دیا۔

واقعی کعبہ کو دیکھ کر پھر اس کو چھوڑنے کا دل نہیں چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی نہیں بلکہ انسانی مزاج بھی ایسا بن جاتا ہے۔ وہ کعبہ کو دیکھے بغیر وہاں رہ نہیں سکتا ہے۔ اسی لیے محمد عربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہ موقع ہجرت پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے تھے اور کہنے لگے اے کعبہ خدا کی قسم میں تجھے کبھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا لیکن دشمنان اسلام یہاں میرا رہنا پسند نہیں کرتے۔ اس لیے آج یہ حکم ربی سے میں تجھے چھوڑ رہا ہوں۔ میں بھی آج اپنے گناہوں پہ نادم تھا۔ اس اُمید کے ساتھ آج بخشش کے دریا موجزن ہو جائیں گے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ میں ہر روز ایک سو رحمتیں کعبہ کے اوپر نازل کرتا ہوں۔ وہ طواف کرنے والوں پر کعبہ کو دیکھنے والوں پر نماز میں نوافل اور تلاوت قرآن کرنے والوں پر برستی رہتی ہے۔ عین اسی حالت میں خانہ خدا کے دروازے کے قریب کھڑا تھا۔ یکا یک آسمان سے رحمت کی انوار چل پڑی۔ پھر شائقین ان رحمتوں کو جھولیوں اور دامن میں سمیٹے جا رہے تھے اور بخشش کے دریا موجزن تھے۔ کالے اور سیاہ دل والے تمام داغ سفید موتی کی طرح دُھلے جا رہے تھے۔ اور زائرین کے گناہ میل کی طرح جسم سے علیحدہ ہو رہے تھے۔ پھر کعبہ کی صفائی کرنے والے ان کو اپنی ٹوکریوں میں بھر کر دور حدود کعبہ سے باہر لے جا رہے تھے۔ میں بھی اس میں کھڑا اپنے گناہوں کا کفارہ کر رہا تھا اور آج تک اپنے کیے پر پشیمان تھا۔ اسی اُمید کے ساتھ کہ میری خطائیں اللہ نے معاف کر دی ہیں۔ اب میں پاک وصاف ہو چکا تھا۔ نعمتیں، رحمتیں اور بخششیں لٹائی جا رہی تھی میں نے بھی ان کو سمٹ کر دامنِ دغدار میں چھپا لیا۔ اس طرح گناہوں پر اشک بار تھا اور چلّا رہا تھا۔ مالکِ دو جہان، آج تیرے دروازے پر کھڑا ایک سوالی ہوں۔ تو اپنی رحمت اور بخشش کے دریا لٹا دے۔

اسی انداز میں آج دنیاوی طور پر بڑا خوش نصیب تھا۔ اللہ کا قرب ملنا آسان ہو گیا تھا۔ اب ہم حرم سے باہر نکل کر سامان کے پاس گئے وہاں سے کپڑے لائے، غسل کیا کپڑے بدلے۔ اب باقی نمازوں سے فارغ ہو کر رات بھائی حفیظ بٹ کی مہمانی میں گذاری۔ اُس نے چاولوں کا ایک ڈھیر اور مرغی لائی، بڑی خاطر تواضع کی، لیکن تسلی نہ ہوئی۔ حفیظ بٹ صاحب عرصہ دراز سے خانہ خدا کی بستی میں بسلسلہ روزگار زندگی کے ایام گذار رہے ہیں۔ وہ مستان درہ سرنکوٹ کے رہنے والے ہیں۔ ہمیں ہندوستانی کھانے ملنے چاہیے جو وہاں دستیاب نہیں ہیں۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد آ کر حرم میں سو گئے۔ حرم پاک میں سونا تو اس لیے اچھا نہیں اتنا پاک متبرک مقام ہے۔ لیکن لاکھوں لوگ وہاں ہی آ کر طواف نوافل تلاوت کرتے کرتے سو جاتے ہیں۔ اسی بہانے کعبہ پاک کا دیدار کرتے رہتے ہیں۔ ہم بھی جوں ہی سو گئے تین گھنٹے کے بعد جگہ بدلنی پڑی کیونکہ صفائی کرنے والا عملہ ہر وقت صفائی میں مصروف رہتے ہیں۔ اس طرح سے ہر دو گھنٹے کے بعد ایسا ہوتا رہا۔ دن کو ایسا کم ہوتا ہے تھکاوٹ بھی تھی جگہ بدلتے ہی رہے۔ یہاں تک نماز تہجد کی اذان ہو گئی اور وضو کیا تہجد کی نیت باندھ لی۔ اس طرح سے دو گھنٹے کے بعد نماز فجر سے بھی فارغ ہوئے۔

۱۷ اگست نمازوں سے فارغ ہونے کے بعد باب شبکہ کے پاس ہی سوئے رہے کیونکہ گرمی کی شدت کی وجہ سے تھکاوٹ جسم پژمردہ، بخار بھی قدرے ہو رہا تھا۔ ہزاروں ضعیف وجوان مرد و زن ان دروازوں سے نکلتے، داخل ہوتے کمزور، لاغر اور ناتوان افراد بھی حج کی ادائیگی کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ حج کرنا ہو تو صرف جوانی میں بہتر ورنہ یہ بھی ایک عذاب ہے

بہت سے ارکان صحیح ادا نہیں ہو سکتے ہیں۔ ناشتہ کرنے کے بعد بھی ظہر تک حرم
پاک میں ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے کھاتے رہتے۔ اس کے بعد حاجی
عبدالمجید میرزا کی سربراہی میں اس مکان گھر کو دیکھنے چلے گئے جہاں ہمارے
ایک رشتے دار قبلہ حاجی مولوی عبداللہ میر صاحب کی روح قفص عنصری سے
پرواز ہوگئی تھی۔ میں محسوس کرر ہا تھا اس گرمی کی شدت میں ان کی جان کنی کی
حالت کیا ہوئی ہوگی۔ گرمی، پیاس اور پھر موت کی وہ گھڑی جہاں انبیاء بھی
تھرتھراتے تھے۔ یہاں سے جنت المعلیٰ میں گئے جہاں ان کے جسد خاکی کو
سپرد خاک کیا گیا تھا۔ حاجی عبداللہ صاحب میرے قریبی رشتے دار تھے۔ پھر
میری بڑی بھاوج کے والد محترم نہایت نیک سیرت وصورت ایمان دار، ساری
زندگی یاد خدا میں گذاری۔ آخر میں فریضہ حج ادا کرنے گئے، دعائیں کرتے
تھے اللہ مجھے وہاں کی مٹی نصیب فرمانا، اللہ نے قبول فرما دیا۔ حج ادا کرتے ہی
بخار شدت کا ہوگیا، وہی مرض الموت کا بہانہ بنا۔ حاضری دی اور فاتحہ پڑھی
یہاں قبر کا کوئی نشان نہیں ہوتا ہے۔ چند دنوں قبر پر ایک پتھر رکھ دیا جاتا ہے
وہاں سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔ جنت المعلیٰ وہ قبرستان ہے
جہاں پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پورا خاندان اور صحابہ کرام کے جسم اطہر آرام
فرما رہے ہیں۔ بہت بڑا احاطہ پہاڑ کے دامن میں گھیرا ہوا۔ اوپر سے بڑی
بڑی چٹانیں بھی بہہ آئی ہیں۔ یہاں مٹی باہر سے لائی جاتی ہے اور پھر قبرستان
بڑھتا رہتا ہے۔ روزانہ پندرہ بیس حجاج کو اس خاک مقدس میں دفن کیا جاتا
ہے۔ سبحان اللہ یہاں بھی ہر ایک کو جگہ نہیں ملتی۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ افراد
جن کو کوئے کعبہ یا کوئے حبیب مدینہ طیبہ میں جنت البقیع مل جائے۔ بڑے
بڑے اللہ والے اس کے لیے مجاہدہ بھی کرتے ہیں۔ لیکن نصیب نہیں ہوتا

ہے۔ واپسی پر مسجد جن کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ کہتے ہیں اس مسجد شریف میں جنات حضور والیٔ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ سنا کرتے تھے۔ اس لیے یہ مسجد جن کے نام سے مشہور ہوگئی۔

آج ایک گھڑی میں نے پندرہ ریال میں خریدی۔ بازار مکہ کے قریب ایک گھنٹہ گھومے۔ عصر کی نماز میں حرم میں داخل ہوگئے اور عشاء تک طواف اور تلاوت میں مشغول رہے۔ بعد عشاء کھانا کھایا۔ واپسی پر حرم پاک میں ہی سونا بہتر سمجھا۔ جہاں ہر وقت کعبہ کا دیدار نصیب ہوسکے۔

۱۸ / اگست ۱۹۸۵ء پچاسی کو ہم نے حسب عادت حرم کے اندر ہی رہنا بہتر سمجھا، گرمی کی لُو چل رہی تھی، حرم میں ایئر کنڈیشنر لگے ہیں، باہر نکلنے کا جی نہیں آتا۔ صرف خورد و نوش کے لیے باہر جاتے تھے۔ مقامی لوگوں نے بتایا پچھلے ایک سال چار ماہ سے کوئی بارش وغیرہ نہیں ہوئی ہے۔ بعد عصر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت کدہ کو دیکھنے کے لیے نکلے، یہ باب السلام سے نکل کر سامنے ہے۔ یہ بھی کچی حالت میں ہے۔ وہی پرانے پتھر مٹی اور قدرے چونے سے بنا ہوا مکان کم و بیش اُسی حالت میں دکھائی دیتا ہے۔ غالباً جس حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایام زندگی گذاری تھی یہ کم و بیش ۲۰ فٹ لمبا اور ۱۵ فٹ چوڑا، ایک دروازہ دو کھڑکیاں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ وہی مکان ہے جہاں سے سردار انبیاء نے تمام انسانیت اور جن و انسان کو درس توحید دیا۔ اور شرک بدعت کی جڑ کو ختم کرنے کے لیے مبعوث ہوئے۔ کس کو خبر تھی حضرت عبدالمطلب کا یہ پوتا۔ ساری کائنات کے لیے مشعلِ نور ثابت ہوگا اور آمنہ کا یہ لعل سردار انبیاء کا خطاب حاصل کرے گا۔ اور اسی گھر سے اللہ کے دین کی امانت کو پھیلانا اور صحابہ کو اس قدر تیار کرنا، وہ تمام جان نثارانِ

اسلام ثابت ہوں گے۔ یہی وہ گھر تھا جہاں پر صحابہ کی اس قدر تربیت ہوئی انہوں نے دین کو جان، اولاد اور مال پر ترجیح دی۔ اور پھر اللہ نے ان کو دنیا اور آخرت میں سربلندی و جنت کی خوشخبری سنا دی۔ اور پھر یہی دین اس تیزی سے ساری دنیا میں پھیلا، اس کی ضوفشانیوں سے دنیا کے بڑے بڑے غوث، کتب، ابدال، زیر سایہ تربیت پاتے رہے اور عالم اسلام کا باغ لہلہانے لگا۔ اس گھر کو حضور نے اس حالت میں چھوڑا جب دشمنان اسلام نے تنگ کیا ہجرت کا حکم ہوا۔ رات کی تاریکی میں اپنے بستر پر حضرت علی کو سُلا دیا، خود چلے گئے۔

اب اس گھر میں اوقاف اسلامیہ کا دفتر ہے جو کبھی کبھار کھلتا ہے۔ میں نے ایک کونے سے نگاہ ڈالی۔ سیدھا سادا برکتوں سے بھرا ہوا نیچے وہی مٹی جس پر حضور اقدس آرام فرماتے تھے۔ برکتوں سے بھرا ہوا دور تک خوشبو پھیلی ہوئی ہے یہاں سے نکلنے کے بعد مسجد بلال کا رخ کیا۔ یہ حرم سے مشرق کی طرف ہے جہاں پر بادشاہ سعود نے اپنی قیام گاہ شاہی محل بنایا ہوا ہے۔ مسجد بلال یا ہلال چھت کے بغیر صرف محراب اور اردگرد کی کچھ آدھی دیواریں پتہ نہیں یہ مکمل کیوں نہیں کی گئی۔ میں نے مولانا مکی کی تقریر سنی انہوں نے اس مسجد کو مسجد ہلال کہا ہے کیونکہ یہ اونچائی پر ہے۔ اس لیے عربی لوگ یہاں آکر چاند کو دیکھتے تھے۔ حضرت بلالؓ صحابی رسول تھے حبشہ سے ہجرت کر کے اسلام میں داخل ہوئے۔ پھر ان کو کن کن اذیتوں سے دشمنان اسلام سے دو چار ہونا پڑا، تپتی ہوئی ریت، آگ کے انگاروں پر لٹایا جاتا پھر تین چار لوگ اوپر چڑھتے، کہتے اب بھی تو محمد کے دین پر رہے گا لیکن بلال حبشی کے جسم سے چربی تک پگھل جاتی۔ پھر کھڑے ہو کر لا الٰہ الا اللہ کی صدا بلند

فرماتے جس کی وجہ سے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کو گئے تو آسمانوں پر بلال کے چلنے کی آہٹ سنادی۔ آج بھی یہاں وہی تپتی ہوئی ریت ہے میں نے دو نفل یہاں ادا کیے۔ اس کے قدرے بالکل نزدیک ایک اور مقام ہے جہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پتھر پر بیٹھ کر معجزۂ شق القمر کیا تھا۔ چاند کو دو ٹکڑے ہو گئے تھے، یہ پتھر جائے نماز کی شکل میں آج بھی موجود ہے۔ میں نے دو نفل یہاں بھی ادا کیے۔ اس طرح سے یہ دونوں جگہیں ایسی دکھائی دے رہی ہیں جو اصلی حالت میں موجود ہیں۔ یہاں سے حاجی شبیر صاحب کے ہاں گئے جو دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کے پتے پر ہمارے گھر سے خط آتے تھے، حاصل کیے۔ وہیں سے حاجی ابراہیم ڈار صاحب کے پاس گئے تاکہ ہمیں بھی معلم صباغ سے حجاج کی رہبری کے لیے ہماری خدمات حاصل کرے۔ مرحوم اقبال ڈار صاحب نے بھی کچھ رہبری کی اور ہمیں خدام حجاج کرنے کے لیے موقع مل گیا۔

۱۹/اگست ۱۹۸۵ء: حسب معمول نماز۔ ناشتہ کے بعد ہم بمبئی سے کرنسی کے عوض میں لکڑی کی تسویاں دو ہزار درجن لے گئے تھے۔ میں نے حرم پاک کے باہر لگائی تھی۔ اتنے میں بلدیا کا ایک آفیسر آیا۔ ساری تسویان چھین لے گیا۔ بڑی منت سماجت کے بعد دو تین گھنٹے کے بعد اس نے واپس کی۔ پھر ہم نے جلدی سے ایک بنگالی کو فروخت کر دی۔ شاید نفع نہ ملا۔ رقم وصول کی پریشانی سے چھٹکارا حاصل کیا۔ میرا ساتھی آرام طلب زیادہ دولت چاہتا ہے لیکن محنت کے بغیر۔ ایسا ممکن نہیں۔ ہم معلم صباغ صاحب کے پاس گیارہ بجے پہونچ ہی گئے۔ ہماری ڈیوٹی دن بھر اگر کوئی حاجی صاحب کہیں اپنے مکان کو بھول جاتا ان کو وہاں پہونچانا ہے یعنی حجاج کرام آئیں ان کو عمرہ وغیرہ

کروانا۔ معلم کے ہاں سندیوں کی ایک بڑی جماعت تھی جو اَن پڑھ اور جہلاء قسم کے تھے۔ اُن کا طور طریقہ اچھا نہ لگا۔ ایک معلم کے پاس چار ہزار سے زیادہ حجاج کرام ہوتے ہیں۔ اس معلم کے پاس پاکستانی، انڈونیشیا، بنگلہ دیشی، روسی اور چینی لوگ تھے۔ ان سے اکثر اوقات ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ روسی اور چینی لوگ اپنی زبانیں بولتے تھے بہت کم تھے جو انگریزی سمجھتے تھے۔

۲۰/اگست ۱۹۸۵ء: نمازیں، حرم میں کھانا و کام معلم کے ہاں رات کو طواف کعبہ کرنا معمول سا بن گیا تھا۔ سفر میں امیر، غریب، چھوٹا، بڑا آفیسر ماتحت، پڑھا لکھا، اَن پڑھ یہ تمام یکسان بن جاتے ہیں۔ اسی لیے سفر مصیبت اور مشکلات کا نام ہے تلخ تجربات سے گذرنا پڑتا۔ کبھی ضمیر اور اصول سے ہٹ کر کام کرنے پڑتے ہیں۔ ورنہ مسافت اور زندگی بے معنی ہے۔ ہم نوعمری میں تھے میں اسی سال بی اے کا امتحان دے کر حج کے فریضے کو ادا کرنے کے لیے گیا تھا۔ اب معلم کے ہاں پاکستانی اَن پڑھ سندھی کی ایک جماعت تھی وہ غالباً کچھ ملازم تھے وہ ہمیشہ ہم پر حکومت کرتے تھے اور تنگ کرتے۔ کبھی معلم کو شکایت بھی کر دیتے تھے۔

جب کہ ہمیں حجاج کرام کی خدمت کے لیے رکھا تھا۔ معلم ان کو کہہ دیتا بھائی وہ ٹھیک کام کرتے ہیں۔ میں کبھی معلم کو حقہ بھی بھر دیتا تھا جس کا ذکر آگے آئے گا۔ میں عصر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی سیدھا دفتر کی طرف آ رہا تھا۔ ایک بنگالی حاجی ایک مٹی کے ٹیلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ بے چارا بڑا اضعف اور ناتوان تھا۔ یکا یک موت کے فرشتے نے اس کو دبوچ لیا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز ہوگئی۔ میں سارا منظر دیکھ رہا تھا میں نے اسکی کوئی مدد نہ کی۔

اور وہ منہ ہلا رہا تھا، شاید پانی مانگ رہا تھا۔ غالباً ایک مصری آیا اس نے مویا مویا کہا اور کچھ پانی لا یا۔ حاجی صاحب کے منہ میں ڈالا۔ لیکن وہ پی نہ سکا۔ دوسرے نے کان میں کلمہ توحید پڑھا، اس نے منہ ہلانا شروع کیا۔ اتنے میں اس کی روح پرواز ہوگئی۔ میں نے اس کا منہ اور پاؤں باندھ دیئے۔ پھر بہت سے حجاج کرام جمع ہو گئے۔ چند ہی سیکنڈ یا منٹ گذرا ہو گا ایک سپاہی 'شرتا' آیا اس نے فون دبایا۔ اتنے میں ایمرجنسی گاڑی آگئی اور اس بے چارے کی لاش اٹھا کر لے گئے۔ میرا یہ بدنصیب لمحہ تھا کہ میں اس بھائی کی مدد نہ کر سکا۔ کیونکہ میں نے سنا تھا عربی سپاہ اس کو پکڑ لیتے ہیں جو کسی مردہ کے ساتھ کھڑا ہو۔ اس تجربے سے یہ بھی ثابت ہوا یہ غلط تھا۔ خیر دن بھر مسافر گم گشتہ بیماروں کی تیمارداری اور نئے زائرین کا طواف کسی حاجی کا سامان گم ہونے کی صورت میں اُس کا پتہ لگانا یہ ہماری ذمہ داری تھی۔ حج کے دوران حاجیوں کی خدمت کرنا بڑی عبادت سمجھی جاتی ہے۔ کسی کو دھکا نہ لگے، طواف کرتے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے یا کوئی اور فریضہ ادائیگی کرتے ہوئے۔ تکلیف نہ ہو لیکن بہت لوگ اس ذمہ داری کو انجام دیتے ہیں بعد عشاء طواف کعبہ میں مصروف ہوتے ہیں۔

۲۱ راگست حسب معمول آٹھ بجے معلم کے پاس حاضری دی۔ دن بھر ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ سیاسی، سماجی، معلم، رہبر، عالم، فقیر، جوان، ناتوان، مرد و زن دنیائے عالم سے آئے ہوئے چیدہ چیدہ لوگ فریضہ حج ادا کرنے آتے ہیں۔ حج ہی ایک ایسا موقعہ ہے جہاں ساری دنیا کے مسلمان ایک جگہ اکٹھا ہو کر یکجہتی کا مظاہرہ لبیک کا ترانہ گاتے ہوئے کرتے ہیں۔ اس کے پیچھے ایک فلسفہ اور حکمت یہ بھی ہے۔ اتفاق، بھائی چارہ، اتحاد،

برابری ہر مذہب کے بنیادی اصول ہیں۔ یہ مساجد ہوں یا سکول، مدارس ہوں یا یونیورسٹیاں، اجتماعات اسلامی ہوں یا اور کوئی پہلو۔ ایسا لگتا ہے اسی وقت اللہ جل شانہٗ اپنے بندوں کو اکٹھے ذکر کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اُس کی کریمی جوش میں آجاتی ہے اور بخشش کے اعلان ہونے شروع ہوجاتے ہیں۔ مجھے کبھی کبھی معلم کا حقہ بھی تیار کرنا پڑتا۔ ماشاء اللہ دنیا میں حقے کا حق شاید عربوں نے ادا کیا۔ ایسا لگا قدرے زیادہ لوگ اس بیماری کے مریض ہیں۔ حقہ بڑا خوبصورت چھ میٹر تک حقے کی نلی۔ صراحی بھی تقریباً آدھے میٹر کی اور چلم جس میں ایک پاؤ تمباکو بھرا جاتا ہے اس کے اوپر پیتل کی ٹوپی چمٹا لٹکا ہوا۔ یہ تمام نقش و نگار سے آراستہ جس پر چڑیوں کی شکلیں اور دیگر چیزیں زیب تن، یہاں تک سنا ہے یہ تمام چیزیں سونے اور چاندی کے بڑے گھروں میں موجود ہیں۔ ان تمام کے اوپر قیمتی کپڑے کا غلاف چڑا ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے ہندوستانی قرآن مقدس کی حفاظت ایسے ہی کرتے ہیں جس طرح عربی حقے کی حفاظت کرتے ہیں۔ پھر عربی جب فرش پر تکیہ لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور حقہ اپنا کام شروع کرتا ہے تو کیف و سرور اور مستی چھا جاتی ہے۔ اس طرح سے دس بارہ لوگ ایک حقے پر بیٹھ کر غم غلط کرتے ہیں۔ حقہ تقریباً ہر محفل میں اپنی خدمت انجام دے رہا ہے۔

آج ہمیں معلم کی کاروں میں بٹھا کر منیٰ عرفات مزدلفہ میں لے جایا گیا۔ وہاں پر معلم کے خیمے لگے ہوئے دکھائے گئے۔ یہ اس لیے تھا کہ دو دن کے بعد ہمیں حجاج کرام کو گاڑیوں میں بٹھا کر ان مقامات پر پہنچانا تھا۔ میں آج اس مقدس سرزمین کو دیکھ رہا تھا جس کے لیے میری روح نے جنم لیا تھا۔ حضرت آدم، ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ، اور پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلام کا

آخری خطبہ دیا تھا اور پانچواں رکن ادا کیا تھا۔ آج سارا علاقہ خالی تھا۔ صرف خیمے ہی خیمے لگے ہوئے تھے۔ اسی طرح سے عرفات منیٰ مزدلفہ کو جی بھر کر دیکھا۔ پھر ظہر کی نماز حرم میں ادا کی۔ فارغ ہوتے ہی تھوڑے مارکیٹ میں گھومے۔ دیکھا چیزیں بہت ہی سستی تھی۔ حاجی لوگ غالباً دوگنا نفع کماتے ہیں جب کہ وہاں کا زرِ مبادل بھی مہنگا ہے۔ ہر اشیاء خالص اور سستے داموں پر میسر، بڑی بڑی دوکانیں کروڑوں روپے کا سامان لدا ہوا رات کو کھلی رہتی ہیں۔ صرف ایک کپڑا بڑا سا لپیٹ دیا جاتا ہے۔ مکہ اور مدینہ کے شہر میں اسلامی قانون سختی سے نافذ ہے۔ اذان ہوتے ہی مارکیٹ بند، نماز نہ پڑھنے والے کو جیل میں بند کیا جاتا۔ چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ زانی کو سنگ سار، قاتل کی گردن اتاری جاتی ہے نشہ آور چیزوں کی تجارت کرنے والے کی بھی گردن اُتاری جاتی ہے۔ یہ تمام سزائیں مفتیان کرام عدالتوں میں دیتے ہیں۔ پھر بعد نماز جمعہ حرم شریف کے باہر اسلامی جج دوبارہ جب یہ سزا سناتا ہے۔ اُسی وقت جلاد اپنی کاروائی کرتا ہے۔ جس کو لاکھوں لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور باقی خوف زدہ ہوتے ہیں، اسلامی قانون کو بالادستی ہونے کی وجہ سے جرائم کم ہوتے ہیں۔

۲۲ / اگست: آج حج کی تیاری شروع ہو چکی تھی۔ تمام زائرین جو لاکھوں روپیہ خرچ کر کے ہزاروں میل کا سفر کر کے جس عظیم فریضے کو ادا کرنے کے لیے آئے ہیں وہ تمام اپنا سامان ان پانچ دنوں کے لیے بند کر رہے تھے۔ تیاری میں مصروف آج حرم میں تِل دھرنے کے لیے جگہ نہ تھی چاروں اطراف تا حدِ نظر سفید لباس میں ملبوس لاکھوں کا چلتا پھرتا قافلہ نظر آتا ہے۔ وائے عربی کتنے اچھے لوگ ہوتے ہیں۔ اخلاق، ادب، بھائی چارہ اور مذہبی

ذمہ داریوں میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جان دینے والے کا طریقہ صرف کھانا کھانے کے وقت امیر غریب، اعلیٰ ادنیٰ غلام نوکر تمام ایک ہی دستر خوان پر بیٹھے ہوئے کھانے کی سنت کو ادا کرتے ہیں۔ ہندوستانی یا پاکستانی اسلام وہاں نہیں ہے، ایسا لگا زندگی کے ہر گوشے میں وہ اسلامی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ پاکستانی سندھی ملازم معلم کے ساتھ ہیں وہ اکثر معلم کے پاس شکایت کرتے ہیں عربی سن کر ان کے اس طریقے پر ہنستے ہیں۔

۲۳ر اگست: آخر وہ مبارک گھڑی اور دن آ ہی گیا۔ سارا قافلۂ حجاز فریضہ حج میں مصروف ہو گیا۔ غسل واحرام کے بعد عمرہ وحج کی نیت بھی کر لی۔ مسجد عمرہ کی حاضری کے بعد حرم میں طواف وسعی مکمل کی۔ لاکھوں کا ہجوم اللہ اللہ حج کی گھڑی کتنا نازک مرحلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام دنیا کے مسلمانوں کو اس عظیم فریضہ سے نوازے۔ آج تل دھرنے کی جگہ نہ تھی میں تین گھنٹے کے بعد طواف سے فارغ ہوا۔ معلم کے پاس جا کر رپورٹ کی ہم پچیس لوگوں کا قافلہ یہاں سے حجاج کے لیے گاڑیاں لانے کے لیے گیا۔ وہاں سے چالان وغیرہ بنوالے۔ یہاں سے وادی جموم میں لے جایا گیا۔ جو بڑی خوبصورت پہاڑوں سے گھیری ہوئی میدان عرفات جیسا لگتا تھا۔ یہاں پر سعودی گورنمنٹ کی تقریباً ایک لاکھ کے قریب گاڑیاں تھی۔ گرمی کی شدت تپتی ہوئی ریت، عصر کا وقت ہوا۔ ایک نوجوان اسی تپتی ہوئی ریت پر دری بچھائے ہوئے اِمامت کروا رہا تھا۔ میں بھی جھٹ سے نماز میں شریک ہو گیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد گاڑی ملی۔ میری گاڑی کا ڈرائیور مصری تھا، مغرب کے بعد ہم حجاج کرام کو مصفلہ سے اٹھانے میں مصروف ہو گئے۔ ڈرائیور عربی کے بغیر کچھ نہ سمجھتا تھا میری بدقسمتی جو مجھے نہیں آتی تھی۔ حاجی کا یہ قافلہ لے کر رات

گیارہ بجے ہم مزدلفہ سے نکلے اور منیٰ میں کوبری عبدالعزیز کے پاس پہنچ گئے۔ میں نے حجاج کرام کو اُترنے کے لیے کہا انہوں نے انکار کیا۔ آخر بڑی تلاش اور پریشانی کے بعد رات ایک بجے ان خیموں کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے۔ ابھی حجاج کو خیموں میں بھیج ہی رہے تھے۔ پیچھے سے ڈرائیور گاڑی لے کر غائب۔، میں کسی دوسری گاڑی میں بیٹھ کر حرم میں پہونچا، نماز صبح حرم میں ادا کی۔ اس گاڑی کے ساتھ دس چکر کاٹنے تھے۔ میں نے معلم کو ساری رپورٹ سنادی۔ پھر اپنا سامان لے کر جو دور سرنگ میں رکھا تھا اٹھا کر منیٰ چلے آیا۔ اس طرح سے پہلا مرحلہ یہاں ختم ہوا۔

۲۴ راگست: یہ حج کا پہلا دن تھا منیٰ میں پانچ نمازیں ادا کرنا۔ فریضہ حج میں پہلا قدم ہے۔ ظہر تک حجاج کے کارڈ چیک کیے جو خیموں میں مقیم تھے۔ گرمی کی شدت نیند کے جھونکوں سے جسم پژمردہ ہو چکا تھا۔ نماز کے بعد تھوڑا آرام کیا، جسم ہلکا ہو گیا، وضو کے بعد شیطان کے بُت دیکھنے کے لیے گیا۔ وہاں پر میرے دیار راجوری کے حجاج اور ساتھی ملے۔ ایک حاجی محی الدین تھنہ منڈی کا۔ جو فوٹو گرافی کر رہا تھا۔ بلدیوں نے کیمرہ چھیننے کی کوشش کی، اس نے نہ چھوڑا۔ آخر انہوں نے بروقت بڑی بے دردی سے تقریباً دو ہزار کا کیمرہ توڑ دیا۔ یہ سکول کے بچے سکاؤٹنگ والے تھے۔ عرب میں تصویر بنانے پر سختی کی جاتی ہیے کیونکہ یہ فعل حرام ہے۔ بعد مغرب خیموں میں پہونچتے ہی معلم کا حکم ہوا حجاج کو لے کر عرفات کا رخ کرو۔ عشاء کی نماز کے بعد ہم نے اپنی تیاری شروع کردی۔

اس سے قبل میرے ساتھی شبیر راتھر صاحب مجھ سے ایک ہزار ریال لے کر گئے اور اپنا ایک ہزار ریال ڈال کر دو ہزار ریال میں قیمتی کیمرہ خرید کر

لانے کے لیے گئے۔ واپسی پر بقول ان کے کیمرہ اپنی گاڑی میں رکھا۔ کوئی تین گھنٹے کے بعد اطلاع دی گئی گاڑی سے کیمرہ کوئی نکال کر لے گیا۔ مجھے دل نے گواہی اس لیے نہ دی ہمارا سامان تقریباً بیس دن تک سنسان جگہ پر پڑا رہا۔ کسی نے دیکھا تک نہیں چھونا تو دور کی بات ہے۔ پھر بھی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ خیر آج عجیب منظر ہے منیٰ کی ویران وادی آج حجاج کرام سے ہر طرف سفید لباس میں لاکھوں خیموں، مساجد، مٹی کے ٹیلوں، ریتلی زمین پتھروں چٹانوں پر بیٹھے لبیک کا ترانہ گا رہے ہیں۔ بڑا روح پرور اور دلکش منظر ہے۔ اللہ کی عظمت مکہ کی بے آب و گیا وادی میں بیان ہو رہی ہے۔ ہر آدمی اپنے کیے پر پشیمان اور نالاں ہے اور سوچ رہا ہے۔ اگر آج کا موقعہ ہاتھ سے چلا جائے۔ پھر آنے والا نہیں ہے۔ اس لیے توبہ استغفار، گریہ زاری اور گناہوں سے مغفرت مانگی جا رہی ہے۔ اس طرح اللہ کا حکم حضرت ابراہیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ادا کی جا رہی ہے۔ بارہ بجے کے قریب ہم بھی حجاج کرام کو گاڑیوں میں اٹھا چل دیئے۔ ڈرائیور ہوشیاری سے چل رہا تھا۔ لاتعداد گاڑیاں حجاج کرام کو لے جا رہی تھی۔ ہم جلد ہی میدان عرفات میں پہونچ گئے۔ اب معلم کے خیمے بھول چکا تھا۔ میں گائیڈ تھا۔ ڈرائیور عربی اور مصری کے بغیر کچھ نہ جانتا تھا۔ میں ان دونوں سے بے خبر۔ جوں توں آگے چلتے رہے۔ تھوڑی عربی زبان کا سہارا لے کر یعنی ڈرائیوروں، محافظ، سپاہیوں اور بلدیہ کے ملازموں سے دریافت کرتا لیکن کوئی پتہ نہ چلا اب حجاج بھی تنگ آ گئے۔ ڈرائیور عربی میں حجاج کرام اُردو میں گالیاں سنا رہے تھے۔ میں اسی بے بسی میں گاڑی سے نیچے اُترا کہ پولیس کی ایک چوکی تھی دریافت کرتا جب تک واپس آیا

گاڑی نہ دارد۔ اب تھوڑا پتہ ضرور چلا لیکن گاڑی کے چلے جانے کے بعد ڈرائیور کی نونک جھونک اور حاجیوں کے تیور چڑھانے سے تو بچا لیکن میں نے سات آٹھ کلومیٹر کا سفر پیدل کیا۔ تھکا ماندہ اور بھوک پیاس کی وجہ سے ایک قدم چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ اب کیا ہوا میں نے تمام فوج سِول انتظامیہ سے دریافت کیا۔ حج کے دوران جو فوج اور دوسرے ملازمین خدام حجاج کی ڈیوٹیاں لگائی جاتی ہیں وہ جدہ، ریاض، مدینہ اور دوسرے شہروں سے لائے جاتے ہیں اور تمام بے خبر ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کو وہاں ہی مختصر سے علاقے کے لیے متعین کیا جاتا ہے اور ان کے پاس ہر قسم کے نقشہ جات بھی بنے ہوتے ہیں اور تمام معلم حضرات کے کیمپوں کا پتہ ہونے کے باوجود بھی وہ بے یار و مددگار ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ باہر کے لوگوں یا حجاج کرام کو جلد از جلد پتہ نہیں چل سکتا ہے۔ القصہ مختصر میرے ساتھ وہی کچھ ہوا جیسا حضرت آدمؑ کو حضرت اماں حوا کی تلاش میں سرگردان ہونا پڑا۔ ان کی توبہ تو یہاں ہی قبول ہوئی تھی لیکن میری نہ توبہ نہ ہی منزل۔ اب کیا تھا اسی پریشانی کے عالم میں ایک جگہ کھڑا سوچ ہی رہا تھا۔ یہ آدم کی توبہ سے کم نہیں ہے اتنے میں میرے کاروان کا ایک ساتھی نظر آیا۔ میں نے اشارہ دیا۔ گاڑی دور جا کر رُکی۔ اب ہم خیمے کے بالکل قریب پہونچ چکے تھے۔ لیکن پھر بھی ڈرائیور کسی اور طرف لے گیا، ایک گھنٹہ کے بعد واپس پھر کوبری عبدالعزیز کے پاس جا پہونچے۔ ہمارا وضو ٹوٹ چکا تھا آنکھوں میں سخت نیند کا طوفان جسم تھکا ماندہ بھوک اور پیاس کی شدت، گاڑی سے اُترے۔ وضو بنایا صبح کی نماز ادا کی۔ پھر جا کر تمام داستان معلم کو سنائی ایک معلم ہمارے ساتھ اُردو میں بات کرتا تھا۔ وہ بھی کچھ پریشان ہوئے انہوں نے ہمیں ناشتہ کرنے کے لیے کہا۔ پھر ایک گھنٹہ کے

بعد معلم کی گاڑی میں بیٹھ کر ہم عرفات پہونچ ہی گئے۔

عرفات

آج یوم عرفہ ہے۔ عرفہ کے لغوی معنی سفیدی و شناخت کے ہیں۔ اور عرفہ کے معنی قیام کرنا ٹھہرنا بھی ہے۔ آج چاروں طرف تا حد نظر لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر سفید کفن لپیٹے ہوئے تقریباً پچیس لاکھ لوگوں کا منظر دکھائی دے رہا ہے اور دور تک ٹیلوں، پتھروں، پہاڑوں، سڑکوں اور تپتی ہوئی ریت کے میدانوں میں پھیلے ہوئے اللہ کی بڑائی بیان کرر ہے ہیں۔ توبہ استغفار، گریہ زاری، ندامت، ماضی پر اشک بار یہاں تک ماضی کے گناہوں پر تلافی اور مستقبل کے لیے ایک مہر ثبت کر دینا کہ بقیہ زندگی ایک صالح اور نیک انسان کی طرح گذرنی چاہیے۔ شاید حج اسی کا نام ہے جب اللہ تمام دنیا کے کونے کونے سے آئی ہوئی مخلوق کو دیکھتا ہے کہ وہ ایک جا ہو کر ذکر خدا میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور تلبیح لبیک کا ترانہ گاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور کہتی ہے اے دنیا کے پہاڑو، پتھرو، باقی تمام مخلوق گواہ رہو کہ آج میدان عرفات میں جتنے لوگ ہیں۔ میں نے ان تمام کی بخشش کردی ہے۔ جو اس میدان میں جمع ہوئے ہیں۔ امام نے خطبہ دیا ہم مسجد نمرہ سے کافی دور تھے۔ دو رکعت نماز حج ادا کیا۔ یوں ظہر اور عصر دونوں ادا کی۔ آج دنیا کی تمام مخلوق جو اس میدان میں جمع تھی شاہ سے گدا تک تمام صف بستہ تھے۔ اسی موقعے کے لیے اقبال فرماتے ہیں ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

نماز کے بعد امام عرفات نے خوب دعائیں کیں۔ ہم فارغ ہوتے ہی

واپس آئے۔ آج معلم کی طرف سے مفت کھانا تقسیم ہو رہا تھا۔ بہت بڑا ڈھیر چاول، مرغے، اونٹ کا گوشت اور دیگر لوازمات سے بھرا ہوا تھا۔ یوم عرفہ میں لوگ قدرے بھوکے ہوتے ہیں۔ ہر حاجی نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ میری ذمہ داری کارڈ چیک کرنے کے لیے لگی ہوئی تھی۔ آیا کھانا کھانے والے معلم کے حجاج ہیں کہ نہیں۔ تین چار گھنٹوں تک کھانے کا دور چلا۔ پھر تمام لوگ اپنے خیموں میں ذکر واذکار میں مشغول ہو گئے۔ گرمی شدت کی تھی، سایہ نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ پیاس، تھکاوٹ اور دیگر انسانی کمزوریوں نے بہت لاغر بنا دیا تھا۔ مسجد کی طرف گئے۔ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ اتنے لوگ کہاں سما سکتے ہیں۔ اب صرف دیدار کی نسبت ہی سے دیکھ کر سکون پاتے ہیں۔ دوپہر کے بعد آسمان میں جہاز گشت کر رہے تھے۔ عطر کی بارش آسمان سے پھوار کی مانند برس رہی تھی۔ حجاج رحمتوں کی بارش میں نہا رہے تھے۔ کچھ ٹہل رہے تھے اور کچھ عرفات کے میدان کا جی بھر کر نظارہ انسانی مخلوق کا کر رہے تھے۔ اب وقت پورا ہو چکا تھا۔ لوگ حاجی بن چکے تھے جو آج تک زائر تھے۔ اب بعد نماز حج تمام لوگ ایک دوسرے کے گلے ملے اور حاجی بننے کی مبارکبادیاں دے رہے تھے۔ آپ توپ کے چلنے کا انتظار تھا۔ لیکن حجاج کرام آہستہ آہستہ جوق در جوق حدودِ عرفات کی طرف بڑھ رہے تھے۔

سورج ڈوب چکا تھا، اتنے میں توپ کی آوازیں آنی شروع ہوئی۔ توپ اس لیے چلائی جاتی ہے اب وقت ہے عرفات کو چھوڑنے کا۔ حجاج ہزاروں قافلوں میں دوڑ پڑے نوجوان زیادہ تر پیدل ہی چلتے ہیں۔ بوڑھے، ضعف، ناتوان، بیمار اور خواتین گاڑیوں میں سوار ہوتے ہیں۔ اب تمام کی منزل مزدلفہ ہے جہاں پر رات کا قیام لازمی ہے۔ وقت عجیب کیفیت سے گذر رہا

تھا۔ ایسا لگ رہا تھا تمام لوگ پاک وصاف جیسے ماں کے شکم سے آج ہی جنم لیا ہو۔ آج عرفات سے جا رہے تھے۔ دوسرے لفظوں میں میدان عرفات دنیا کے حجاج کے لیے ماں کی شکم گاہ ہے جہاں تمام گناہ دھل جاتے ہیں۔ گاڑیوں کا سماں بندھ ہوا۔ لال، پیلی، سرخ، سفید، سبز تمام رنگوں والی گاڑیاں بہت سے گاڑیوں پر اپنے ملکوں کے جھنڈے لگے ہوئے ہم بھی اپنی گاڑی پر بیٹھ کر حجاج کرام کو لیے ہوئے دو گھنٹے کے بعد مزدلفہ میں معلم کے خیموں کے قریب جوں توں پہونچ ہی گئے۔

مزدلفہ: حجاج کو اتار کر خیموں میں بھیج دیا۔ اور خود پانی کی تلاش میں نکلے۔ دور جا کر پانی ملا، وضو بنایا، باجماعت مغرب اور عشاء دونوں نمازیں اکٹھی کی۔ مزدلفہ کی رات کے متعلق ایسا حدیثوں میں آیا ہے، یہ رات ایسی ہے جیسا کہ تم نے لیلتہ القدر کی رات میں عبادت کی۔ اس رات کو قیام کرنا ذکر واذکار میں گذارنا نہایت ہی افضل ہے۔ بہت کم لوگ بیٹھتے ہیں، زیادہ تر تھکے ماندے ریت مٹی پتھروں اور ٹیلوں پر ہی بیٹھ کر رات بسر کر دیتے ہیں۔ میں بھی تھکا ماندہ مسجد مزدلفہ کے قریب بیٹھا تھا۔ انسانی جسم کے لیے آرام بھی نہایت ضروری ہے۔ صحت اور طبعی حلقہ بھی یہی کہتے ہیں۔ ابھی سوچ رہا تھا کہ سویا جائے۔ دیکھا حجاج کرام جمرات کو مارنے کے لیے کنکریاں چن رہے ہیں۔ میں نے بھی کنکریاں چن کر ایک گانٹھ میں باندھ دیئے۔ میرے ذہن میں یہ خیال گذرا حضرت ابراہیمؑ حضرت حاجرہ نے تو یہاں سے کنکریاں نہیں اٹھائی ہوں گی۔ پھر ایسا کیوں میں نے اسے سنت نبوی اور حکم الٰہی جان کر ختم کیا۔ اسی تذبذب میں کھوئے ہوئے نیند کے جھونکوں میں کھراٹے مارنے لگا۔ ادھر آنکھ کھلی اُدھر اذان فجر ہو رہی تھی تہجد اور فجر دونوں ادا کی۔ ہر

خیمے میں حجاج اپنی ٹولیوں میں بارگاہ ایزدی کی طرف لگے ہیں۔ اب اگلی منزل کی طرف بڑھنے کے لیے سورج نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ کو خیر آباد کرنا پڑتا ہے۔ اب یہاں سے نکل کر زیادہ حجاج پیدل ہی چلتے ہیں۔ راستے میں وادی محسر سے گذرتے ہیں جہاں پر حجاج کرام کو جلدی چلنے کا حکم ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پر ابرہہ جو یمن کا بادشاہ تھا تمام لشکر کے ساتھ مارا گیا۔ کہتے ہیں وادی محسر میں جب ابرہہ کا لشکر آرہا تھا۔ حضرت عبدالمطلب ان کو ملے۔ حضرت عبدالمطلب نے اس سالار لشکر سے کہا۔ تمہیں کوئی اونٹ تو نہیں ملے۔ لشکر والوں نے کہا تجھے اونٹوں کی پڑی ہے۔ ہم تو تمہارے کعبہ کو ڈھانے کے لیے جا رہے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا مجھے اونٹ ڈھونڈنے ہیں جن کی میری ذمہ داری ہے کعبہ کی حفاظت اللہ کا کام ہے اس نے قیامت تک اس کی ذمہ داری لے لی ہے۔ وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ اللہ نے صرف ابابیلوں کو حکم دیا۔ وہ تمام اپنی چونچوں میں باریک کنکر اٹھا کر لائے۔ ابرہہ اور اس کے تمام لشکر پر حملہ آور ہوئے وہ کنکر جس جس پر برستا تھا۔ اس کا گوشت بھس کر تن سے گرتا جاتا اور ان کے جسم کو آگ لگ جاتی۔ اس طرح سے ابرہہ کا لشکر یہاں ہی برباد ہوا اور اس کے ایک دو افراد جو بچ کر جا رہے تھے راستے میں ان پر وہی کنکر لگے، یمن پہونچنے سے پہلے تمام کے تمام ختم ہو گئے۔

اس لیے یہاں حکم ہے جلدی سے چلنے کا ہم سیدھے کبری عبدالعزیز میں معلم کے خیموں میں پہونچے، وضو بنانے کے بعد۔ جمرات اولیٰ کو کنکریاں مارنے کے لیے نکل پڑھے یہ یہاں سے قریب ایک کلومیٹر دور ہے۔

منیٰ: اب کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، تا حد نظر چاروں اطراف دکھائی دے رہا ہے۔ یہاں کا بھی عجیب سماں ہے اللہ اللہ تیرا ہی فضل وشکر ہے۔ یہاں پر بیچارے ضعیف و ناتوان مرد وزن کہیں یہاں موت کی آغوش میں پہونچ جاتے ہیں۔ جب لوگوں کا ایک بہت بڑا ریلا نزدیک آتا ہے پھر کمزور لوگ پاؤں تلے دھب جاتے ہیں۔ میں بھی اس ریلے میں ایسا پھنسا کہ میرا چھاتا اور چپل مجھ سے فارغ ہو گئے یہاں حکمت اور دانائی سے کام لینا پڑتا ہے۔ جمرات اولیٰ کیا ہے یہ چھوٹے پتھروں کا ایک چھوٹا سا مینارہ یا بت جیسا بنا ہوا ہے جس کو ہر حاجی کو سات کنکر مارنے پڑتے ہیں۔ یہاں واقعی شیطان جیسا منظر ہے ایک آدمی دوسرے پر سوار قدم ہولے ہولے بڑھتا ہے۔ میں نے جلدی سے ہوش سنبھال کر کنکر مار کر واپس ہونے کی کوشش کی لیکن غالباً ایک دو افراد نیچے آچکے تھے۔ ایک کو ہاتھ مار کر میں نے بڑی مشکل سے اٹھایا۔ حجاج کرام کو کنکریوں کے بعد بوٹ چپل کپڑے اور دیگر اشیاء مارتے ہوئے دیکھا اور کتنے معلون شیطان۔ کیا اب بھی کبھی ہمارے پاس آئے گا۔ کتنے شریف لوگ ہیں گناہ خود کر کے شیطان کو بدنام کرتے ہیں۔ بقول شاعر۔

حیف آتی ہے مجھے اس حضرت انسان پر
کار بد یہ خود کرے لعنت کرے شیطان پر

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد ہم قربان گاہ کی طرف چل پڑے۔ لاکھوں جانور ذبح ہو چکے تھے۔ گائے، بیل، اونٹ، مینڈھے، دنبے، میں نے بھی اپنا دنبہ دوسو پچاس ریال میں خرید لیا۔ میرے ساتھ نو دس ساتھی تھے۔ تمام نے ایسے ہی خریدا۔ میرے پاس ایک چھری تھی میں نے قصائی کا کام

شروع کیا۔ دس دنبے ذبح کرنے پر تمام ساتھیوں نے مجھے دس ریال فی کس معاوضہ دیا۔ اوران کی تمام پریشانیاں ختم ہوگئیں۔ ہم یہ دس دنبے ذبح کر کے وہاں ہی چھوڑ کے آ یئے۔ کوئی ایک کلو گوشت بھی ساتھ نہ اٹھا سکے۔ یہ دونوں سنتیں کنکر مارنے اور قربانی کا عمل ہم حضرت ابراہیم کے طریقے کو ادا کر رہے تھے۔ جو آج سے تین ہزار سال سے یہ عمل چلتا آ رہا ہے۔ واپسی پر ہم نے ایک دوسرے ساتھی کا سر منڈوایا۔

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں پیچھے ایک بہت بڑی قطار لگی ہے۔ ہم نے چار پانچ کا سر تو صاف کیا ہوگا بعد میں تھک چکے تھے۔ پیشہ ورانہ لوگ دس پندرہ ریال فی کس کے حساب سے وصول کرتے ہیں۔ اس طرح سے اس سفر میں قصائی اور حجام بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ بڑا عجیب سا لگا ان تمام امور سے فارغ ہوتے ہی ہم نے غسل کیا کپڑے بدلے کھانا کھایا۔ دو گھنٹے آرام کرنے کے بعد ظہر نماز سے فارغ ہوتے ہی حرم پاک کا رخ کیا طواف زیارت اور سعی کرنے کے لیے نکل پڑے۔ آج بھی ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر لوگوں کا دکھائی دے رہا ہے۔ ہم نے پیدل چل کر طواف زیارت اور سعی مکمل کی۔ عشاء کی نماز حرم میں ہی ادا کی۔ نماز کھانا تناول کر کے واپس چل دیئے۔ یوم عرفہ سے لے کر طواف زیارت اور سعی تک حجاج کرام کو بڑی تکلیفوں اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ بڑے نازک لمحات ہوتے ہیں۔ ہم نے یوم عرفہ مزدلفہ کی رات، جمرات کو کنکریاں مارنا، قربانی دینا، سر منڈوانا، اور پھر طواف زیارت وسعی کر کے رات کو پھر جا کر منیٰ میں قیام کرنا بہت بڑی مشقت کا کام ہے۔ مجھے اللہ نے بڑا حوصلہ، صحت اور جرأت دی ہے۔ لیکن حالات نے مجھے بھی بے بس کر دیا ہے۔ پھر بے چارے ضعف و ناتوان مرد و

زن کا کیا حال ہوگا۔اس لیے حج بھی جوانی میں کریں۔تا کہ تمام ارکان حج ادا ہوسکیں پھر باقی ماندہ زندگی بھی نجات والی گذر سکے۔

آج چاروں طرف حجاج کرام خوش وخرم دکھائی دے رہے تھے۔کیونکہ جس مقصد کے لیے وہ آئے تھے وہ پورا ہو چکا تھا۔حج مکمل تھا،صرف دو دن کنکریاں مارنے کے بعد وہ اس فریضے سے فارغ ہو جائیں گے۔قربانی کرنا، کنکریاں مارنا، حضرت ابراہیم کا وہی خواب تھا جو اسماعیل ذبیح اللہ کا دیکھا تھا۔جس پر حضرت ابراہیم نے بہت سے اونٹ بھی اللہ کی راہ میں قربان کردیئے تھے۔پھر بھی تعبیر پوری نہ ہوئی یہاں تک کہ حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کی نوبت آگئی۔پھر شیطان مردود نے اپنا سفر شروع کیا۔پہلے حضرت ابراہیم کو کہا تم خوابوں پر اپنے بیٹے کو ذبح کرنے لگے ہو۔یہاں تک حضرت ابراہیمؑ نے سات کنکریاں ماری اور کہا مردود بھاگ جاؤ۔پھر حضرت ہاجرہ کے پاس گئے۔انکو بہکانا شروع کیا۔حضرت ہاجرہ سمجھ گئی یہ وہی لعین ہے۔انہوں نے بھی وہی کنکر مارے اور بھگایا۔حالانکہ اس نے حضرت ہاجرہ کو یہاں تک کہہ دیا یہ بوڑھا کند ذہن ہو چکا،خوابوں پر بھی کوئی ایسا کرتا۔اس کے بعد یہ مارا مارا حضرت اسماعیل کے پاس گیا اور کہا تجھے کیا ہوا۔تو اپنی جان سے ہاتھ کھو رہا ہے خوابیں آتی رہتی ہیں۔تو اپنی جان کیوں ضائع کر رہا ہے۔حضرت اسماعیل نے بھی وہی جملہ دہرایا شیطان مردود چلے جا۔انہوں نے بھی سات کنکر مارے اور وہ بھاگ گیا۔اس طرح حضرت اسماعیل نے وہ سنت زندہ کردی جو قیامت تک نوع انسانیت کرتی رہے گی۔باپ بیٹے کا عمل اللہ کو اتنا پسند آگیا جس کو قیامت تک جاری و ساری کر دیا۔وادی منیٰ آج چاروں طرف سے بھری پڑی ہے حجاج کرام اللہ کے ذکر میں مشغول نوافل،

تلاوت اور تسبیحات میں ایسے مصروف ہیں: ولا تطمئن القلوب الا بذ کر اللہ کی عملی شکل دکھائی دیتی ہے اور ایسا لگتا انسانوں کے علاوہ کیڑے مکوڑے، شجر و ہجر، نباتات و جمادات ہر چیز مکہ کے اندر اللہ کی تسبیح لبیک اللھم لبیک بیان کرر ہے ہیں۔ میں نے ذرہ ذرہ پتھر، ریت، چٹانیں، مٹی، پہاڑوں کو چوما، سلام دیا۔ یہ بھی کہا تم کتنے خوشنما پہاڑ ہو کہ اللہ کے دین کی تکمیل تمہاری گودوں میں ہورہی ہے۔ درس توحید کی صدائیں یہاں سے اٹھتی ہیں اور سارے جہاں میں پھیلی ہیں۔ بقول شاعر مشرق علامہ اقبالؒ ؎

مشرق سے تا بہ مغرب گونجی اذان ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

ہمارے ملک کے پہاڑ کتنے دلکش اور خوبصورت ہوتے ہیں چاروں طرف سرسبز شاداب گھاس جنگل خوشنما نہریں، دریا کے جھرنے آبشاران کے درمیان میں ضرور چلتے ہیں لیکن یہ پہاڑ ہمارے لیے تو تھے ہی، اپنے لیے بھی عذاب ہیں۔ قیامت کے دن ان کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ اسکے برعکس مکہ اور مدینہ کے پہاڑ مٹی، ریت کے ذرات، اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھیں گے۔ ان دنوں مکہ، مزدلفہ، منیٰ، عرفات کے پہاڑ چاروں طرف سفید برف پوش دکھائی دیتے ہیں۔ ہزاروں لوگوں نے اوپر چوٹیوں پر ٹھکانہ بنایا ہے۔ چاروں طرف حجاج کرام شاداب اور رنگینویوں میں ملبوس خوش وخرم دکھائی دے رہے تھے۔ شاید اس لیے کہ انہیں بخشش کا پروانہ مل چکا تھا۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کی باقی کائنات سے خوش نصیب سمجھ رہے تھے۔ انہیں اللہ نے اپنے پانچوں فرائض کی تکمیل کرنے کی سعادت دی تھی۔ اس لیے خراماں، خراماں چلتے گھومتے، پھر منیٰ میں یہ گھڑیاں گذارنے کے لیے۔ تمام مخلوقِ خدا

یادالٰہی میں مصروف تھی۔

ہمیں آج کل یہاں کوئی اُتنا سخت کام نہ تھا۔ کارڈ چیک کرنا یا گمشدہ کا پتہ لگانا، ہم زیادہ طور خیموں میں ہی رہے یا جمرات کو کنکریاں مارنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ وہاں آج بہت ہی بھیڑ تھی، میں بھی بڑی مشکل سے آج بچ نکلا۔ لوگ پھر دعا کرتے جارہے تھے۔ چپل، بوٹ، پتھر، احرام کی چادریں، رومالیں، جو چیز ہاتھ لگی پھینکے جارہے تھے لیکن یہ سب بے سود اور غیر شعوری حرکات نظر آرہی تھی۔ ہزاروں لوگوں نے چھوٹی چھوٹی دوکانیں سجائی ہوئی ہیں۔ اس طرح منیٰ کے ان پہاڑوں میں اضافہ ہوا۔ خیر و برکت اور تاحد نظر رحمت کے جھونکے ہوا کی لہروں میں دکھائی دے رہے ہیں۔

منیٰ کا آخری دن: پچیس لاکھ لوگوں کا قافلہ آج بعد عصر حج کے ارکان مکمل کر کے فارغ ہوگیا۔ اس طرح سے حاجی کہلانے کے حقدار ہو گئے ہیں۔ یہ قافلہ سات ذی الحجہ سے بارہ ذی الحجہ تک ان چھ دنوں میں مسلسل تگ ودو، تکلیف، پریشانی، درد و کرب کے عالم سے گذرنے کنکریاں مارنے کے بعد عصر کو یہاں سے نکلنے کا حکم ہے۔ بیمار، زن مرد ضعیف تو دو تین دن اسی وادی میں گھومتے رہتے ہیں جو قافلوں سے بچھڑ جاتے ہیں۔ اب یہ قافلہ یہاں سے حرم کی طرف رواں دواں ہوگیا۔ میں دیکھ رہا تھا لوگوں کا جم غفیر اَشک فشانی لبیک کا ترانہ گاتے ہوئے استغفار اور وظائف کی گھڑی باندھے ہوئے اسی طرح لاکھوں گاڑیوں میں سوار خراماں خراماں منی کو الوداع کہتے ہوئے حرم پاک خانہ کعبہ کی طرف دوڑ رہے تھے۔ اسی میں بہت سے ضعف شاید ارکان حج بھی نہ پورا کرسکے۔ اللہ کی رحمت جوش میں آکر ان تمام کو بخش دیتی ہے۔ اور ان کے حج کو قبول کرتی ہے جو منیٰ مزدلفہ اور عرفات میں قیام کر کے اپنے

حرکات وسکنات سے اُس کو خوش کرتے ہیں۔ کچھ لوگ گھر سے نکل کر مکہ، جدا، بمبئ کے جیلوں کی ہوا کھاتے ہیں۔ وہ بھی حاجی کا لقب پاتے ہیں کچھ اجمیر، بغداد یا اور کسی زیارت پر حاضری دینے کے بعد اپنے آپ کو حاجی کہتے اور کہلواتے ہیں۔ کیسی بے دینی گمراہی، جہالت اور شرک ہے۔ اللہ کیسے معاف کرے گا۔ بڑے بڑے غوث کتب اَبدال نے بھی حج کے تمام ارکان مکہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں پہونچ کر ہی ادا کیے، کسی ولی کے ہاں شرک یا بے دینی نہیں ملے گی۔ ہمارے ہاں ظاہری درویش کی حالت ایسی ہے وہ نماز بھی نہیں پڑھتے لیکن ان کے مریدوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے ''اسی مکے تے مدینہ نماز پڑھ دے ہاں''۔

میں بھی ایک گاڑی میں بیٹھ کر حرم پاک میں حجاج کرام کے ساتھ پہونچ گیا۔ اور ہزاروں شکر ادا کر رہا تھا کہ اللہ نے ظاہری میرے حرکات وسکنات کو انشاء اللہ حج کی شکل میں قبول کرلیا ہے۔ میں پچیس سال کی عمر میں چل رہا ہوں۔ اسی سال بی۔ اے کا امتحان بھی دیا ہے اور ملازمت کا ساتواں سال چل رہا ہے۔ گذشتہ سال ۳۱/ اگست چوراسی مکان کے نیچے دب گیا تھا۔ پھر پورے ایک سال بعد ۳۱ اگست پچاسی کو مقدس سرزمین پر حج بیت اللہ سے معمور ہو رہا تھا۔ اور مجھے یہ تمام مناظر دیکھنے تھے جو میرے خواب وخیال میں نہ تھے۔ میں نے ملتزم کے پاس جا کر شکرانہ ادا کیا اور دروازہ کعبہ کے ساتھ لپک کہ خوب رویا اور امت مسلمہ کے لیے دعائیں کیں۔ دل نے تسلی دی۔ لوگوں کا جم غفیر یہاں بھی تھا۔ نوجوان ہی حج کے ارکان کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اس طرح سے رات بارہ بجے کے قریب ہم کمرے میں نیند کے خرّاٹے مارنے کے لیے چلے گئے۔ اور حج کے فریضے سے دستبردار

ہو گئے۔

مکہ کے گرد و نواح: یکم ستمبر سے دس ستمبر تک ہم معلم صباغ صاحب کے ساتھ حجاج کرام کی خدمت میں لگے رہے۔ حجاج کی نگرانی گمشدوں کو مکانوں تک پہونچانا۔ بیماروں کی تیمارداری وغیرہ ایک معلم کے پاس پانچ سے چھ ہزار حجاج کرام ہوتے ہیں۔ یہ جدہ میں جہاز سے اُترنے کے بعد سے پھر واپسی جہاز پر سوار ہونے تک ان کی تمام رہن سہن، گاڑیوں کا بندوبست حج کے ایام کے دنوں، پھر مدینہ لے جانا واپس لانے تک یہاں تک اگر کوئی رخصت ہو جائے اُس کی تجہیز و تکفین کروانا معلم کی ذمہ داری ہے۔ لیکن معلم کے خدام اس طرح سے اپنی ذمہ داری کو نبھاتے نہیں دیکھا جس کی وجہ سے حاجی کافی پریشان ہوتا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا ایک حاجی صاحب کا سامان کسی خدام کے ذریعے گم ہوا تھا۔ اور کسی کا سامان معلم کے ہاں مہینوں پڑا رہتا تھا۔ مجھے بھی معلم نے ایک بڑا چھاتا دیا۔ دن بھر دھوپ سے بچنے کے لیے اس پر مہر پاکستان کی لگی ہوئی تھی۔ جو بعد میں گھر تک ساتھ لایا۔ ان دنوں ہم اپنا کھانا خود بناتے ہیں۔ مرغی پوری روسٹ کبھی چاول بریانی اور بڑے بڑے نان لاتے۔ اس کے ساتھ پیپسی کی بوتل ملتی تھی۔ اس طرح سے عربی لوگوں کی چائے بنانی اور پینے کے مواقع بھی ملے۔ یہ کالی چائے دودھ کے بغیر کم کھانڈ استعمال کرتے ہیں۔

ان دنوں چار پانچ مرتبہ معلم کو حقہ بھی تیار کر کے دیا۔ دن بھر معلم حقے کی نلی کے ساتھ چمٹے رہتے تھے۔ لمبے لمبے کش لے کر زندگی کا مزہ پاتے بہت سی عربی تہذیب کو اِن دنوں دیکھنے کا موقعہ ملا۔ رحم دلی، سخاوت، بھائی چارہ، برابری، توحید اور دینداری، عرب قوم کی میراث ہے۔ غصہ کسی میں دکھائی نہیں

دیا۔ ایمانداری کی حد یہ ہے کہ دوکانیں کھلی کپڑے لپیٹ کر چلے جاتے ہیں۔
اب ان دنوں ہزاروں حجاج کرام کے قافلے سوئے مدینہ اور گھروں کی طرف شادان شادان نکل رہے ہیں۔ گھروں سے جو لوگ عاصی و گنہگار آئے تھے وہ بخشش کا سامان رحمت کے قطرے اور پاک جسم لے کر واپس لوٹ رہے ہیں۔ ان کے خاندان والے بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں کہ وہ بھی حاجی کی دعاؤں میں شریک ہوں گے تاکہ وہ بھی مکہ اور مدینہ کے لیے مستحق ہوسکیں ان دنوں والدین کی طرف سے بھی میں نے چار پانچ عمرے ادا کیے۔
دن کو معلم کے ساتھ گاڑی پر سوار ہو کر حاجیوں کے کیمپوں میں جاتے ان کی شکایات سنتے اور ازالہ کرنے کی کوشش کرتے۔ اس طرح سے یہ ایام پرسکون ہی نہیں بلکہ روحانی لذتوں سے بھرے ہوئے دکھائی دیئے۔

بہت سے حجاج کرام سے ملاقاتیں ہوتی رہی نئے نئے شرین اور پاکیزہ خیالات سننے کا موقع ملتا رہا۔ یہاں تک کہ حرم کے اندر مختلف فقہاء، محدثین علماء کو صبح و شام سنتے رہے۔ زیادہ وقت مولانا مکی کی نشست میں گذارتے رہے۔ کیونکہ وہ اردو میں بات کرتے تھے۔ عربی طلباء کو حرم کے اندر بڑے بڑے علماء سے تربیت اور علم حاصل کرتے ہوئے دیکھا۔ مکہ کی اردگرد کی پہاڑیاں، جبلِ یمنی، جبل ابوقبس، جبل ہندی، جبل عمر، کے علاوہ مکہ کے خوبصورت شہر گلیاں مساجد اور ایک دو مدرسے بھی دیکھئے میں تعلیم کا طالب علم تھا۔ علم کی پیاس بجھانے کے لیے صرف حج و عمرہ کی کتابیں ملیں۔ جن کو ساتھ اٹھا ہی لیا۔ ان دنوں ہم نے اپنی ٹکٹ واپسی کی او کے کرنے کے لیے ایک شناسا سے کہا کہ ہماری ٹکٹ او کے کروا کر دے۔ جو کافی عرصہ سے وہاں رہ رہا تھا۔ اس نے غالباً چار سو ریال مانگے۔ اب بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ ہم نے

معلم کو کہا کہ ہم نے ٹکٹ اُو کے کروانا ہے۔ اور مدینہ طیبہ بھی جانا ہے۔ اُس نے ہمیں کسی بہانے کے بغیر چھوڑ دیا۔ معلم صباغ کا ڈرائیور پاکستانی تھا۔ اس کو میرے ساتھ بڑی عقیدت سی ہوگئی تھی۔ اُس نے معلم کو کہا یہ لڑکا بڑا محنتی اور شریف ہے۔ اس کو نہ جانے دو۔ اور اپنے پاس رکھو۔ معلم صاحب نے کہا اگر وہ رہے تو میں اس کو پڑھائی لکھوائی کا کام دوں گا۔ میں پہلے سے ملازم تھا، میرا ساتھی بے روزگار تھا۔ میں نے نہ مانا، میرا ساتھی تیار تھا۔ لیکن اس کی مجبوری یہ تھی میں واپس آرہا تھا۔ اب معلم نے ہم سے وعدہ لیا کہ آپ ہر سال حج پر ضرور آیا کریں تاکہ ملاقات کا سلسلہ جاری رہ سکے۔ میں نے بیچ میں موقع پاکر آج زم زم کے مقدس پانی کے نل کے نیچے چلا گیا۔ جہاں پانی بھرتے ہیں پینے کے لیے۔ وہاں نیچے بیٹھ کر غسل کیا۔ یہ نل حرم کے مغرب کی جانب باہر باب شبکہ کے نزدیک لگا ہوا ہے۔ یہاں سے فارغ کے بعد ہم نے طواف وغیرہ نماز مغرب عشاء ادا کی، پھر جاکر سو گئے۔ اسی دوران ہم نے کچھ سامان پہلے خریدا تھا، جو کہ تحفے طائف اور کچھ ملبوسات تھے۔ تمام سامان بند کر کے معلم کے ہاں ایک کمرے میں رکھ دیئے۔

معلم سے اجازت: آج ہم نے معلم سے رخصتی لے ہی لی۔ اس نے ہمیں کچھ اُجرت دی۔ عربی رحم دل ہوتے ہیں لیکن کام لینے میں بھی بہت سخت۔ معلم عبدالعزیز صاحب نے معلم صباغ کو کہا آٹھ سو ریال دے دو۔ ہم نے عرض کیا ایک ماہ بھی لگایا ہے اور عرفات میں گمشدگی کا معاملہ بھی ہوا۔ کام بھی محنت سے کیا ہے پھر اُس نے کہا آلفہ آلفہ یعنی ہزار ہزار دے دو۔ اب اصولی طور پر معلم صاحب سے فارغ ہو چکے تھے۔ لیکن اس نے کہا آپ تب تک یہاں ہی رہو جب تک آپ مدینہ شریف جاؤ گے۔ ہم نے بازار سے

بڑی اٹیچی خرید کر کے اس میں تمام سامان بند کر دیا۔ معلم صاحب کے پاس رکھ دی اور خود غار حرا کی زیارت کے لیے چل دیئے۔ رات کو جبل نور کے دامن میں ایک حاجی بھائی اقبال دوداسن بالہ راجوری کے رہنے والے تھے۔ یہ کئی سال سے مکہ میں رہ رہے ہیں، اُن کے ہاں قیام کیا رات بھر ہم نے باتوں میں گذاری۔ صبح بعد نماز فجر وہاں سے غار حرا کا رخ کیا۔ راستہ بڑا پر پیچ و پُر خطر تھا۔ لیکن زیارت اور عشق مہرا کی وجہ سے سیدھا ہی نظر آیا۔ راستے میں جوان بوڑھے، چھوٹے، بڑے مردوزن پتھروں پر بیٹھے ذکر واذکار میں مصروف منزل کی طرف گامزن تھے۔ میں بار بار سوچ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک اور جسم اطہر ان جگہوں میں پتھروں مٹی کے ڈھیروں کے ساتھ ضرور لگا ہوا ہوگا۔ اگر ساڑھے چودہ سو سال گذر ہی گئے، پھر آج بھی محسوس ہو رہا ہے۔ حضور کو دشمنان اسلام نے کس قدر تکلیفوں، پریشانیوں سے دو چار کیا ہوگا۔ تبھی انہوں نے ان سنگلاخ چٹانوں میں پناہ لی۔ ۲۵ منٹوں کی مسافت کے بعد ہم غار کے سر پر پہنچ ہی گئے۔ اللہ اللہ یہاں سے سارا منظر عیاں ہے۔ ہر طرف دور تک نظر چلی جاتی ہے۔ بڑی بڑی وادیاں پہاڑ اور صحرا حرم پاک و کعبہ کے ارد گرد محافظ کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں سے آگے نیچے کی طرف اترتے ہی داہنے طرف منہ پھیر کر ایک تنگ درّہ نما گھاٹیوں سے گذرنا پڑتا ہے جس کے اوپر بڑی بڑی تین چٹانیں پڑی ہیں۔ یہاں قدرے جھک کر پیٹ کے بل ہاتھوں کے سہارے گذرنا پڑتا ہے، یہاں سے آگے بڑھے تو آنکھوں کے سامنے وہ حرا تھی جہاں پر حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی اُتری اور قرآن کا نزول ہونا شروع ہوا۔ یہ مقدس مقام ساری دنیا کا مرکز بنا ہے۔ جہاں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روشنی ملی یوں اس

روشنی کی کرنیں ساری دنیا میں پہونچی، جس سے ولی، محدث، فقیہ، عالم اور دیگر مخلوق خدا نے فائدہ اٹھایا ہے کسی شاعر نے ایسے ہی موقع کے لیے کہا ہے

رہ رہ کہ لوگ مجھ کو پڑھیں گے ورق ورق
میں تجربات کے وہ سبق چھوڑ جاؤں گا

ہم سے پہلے چند مصری، الجیرین خواتین اسی تختِ رسول کے اندر، نوافل پڑھنے میں مشغول تھیں۔ میں تب تک اس قدرتی مناظر کو آنکھوں میں سمٹا رہا تھا اور یہ بھی سوچ رہا تھا یہ تو وہی پتھر ہیں جن کے ساتھ ہمارے پیارے حبیب کا جسم اطہر لگا ہوگا۔ اتنے میں خواتین فارغ ہوئیں۔ میں نے جٹ سے جا کر جگہ سنبھالی۔ شکرانہ کے نفل ادا کئے دعائیں خوب کی۔ اُمت مسلمہ سے لے کر تمام خاندان کے لیے اللہ ہر ایک کو اِس تین پتھروں والی غار میں دو نفل نماز پڑھنے کا موقعہ دینا۔ کیونکہ یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت جبرئیلؑ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کو خوب دبوچا تھا اور کہا پڑھ اللہ کے نام سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا میں اَن پڑھ ہوں۔ اس طرح سے پہلی وحی پہلی روشنی کی کرن پہلی ہدایت کا منبہ پہلی لوح محفوظ سے اترنے والی آسمانی کتاب کا نزول یہاں ہی ہوا۔ گویا یہ اللہ کی پیاری زمینوں میں ایک زمین ہے اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی جگہ کو پسند فرمایا۔ یہاں پر ہمارے دو ساتھیوں مسٹر شاد علی اور اقبال بھائی نے ہمارے فوٹو لیے۔ اگرچہ یہ شریعت کے خلاف عمل تھا۔ لیکن یاد حرا کو سمٹانے کے لیے ایسا عمل کیا۔ واپس اوپر چڑھے کچھ توقف کیا۔ دھوپ کی تمازت میں سر چکرا رہا تھا پریشانی ہوئی، یہاں سے نکلتے ہی ۲۰ منٹ میں ہم جبل نور کے دامن میں پہونچے۔ گاڑی نے حرم

پاک کے قریب اُتار دیا۔ معلم صاحب کے پاس پہونچے ناشتہ کیا۔ ایک گھنٹے کے بعد ہم نوزعہ سعودی ایئر لائنز کے دفتر گئے۔ وہاں اپنی واپسی کو بمبئی کے بجائے دہلی کے لیے فلائٹ منظور کروائی۔ ہم نے انگریزی میں گفتگو کی تو اس نے کمپیوٹر آن کیا تو کہنے لگا۔ ایک ہفتہ کے بجائے ہم مورخہ اکیس ستمبر کو آپ کی واپسی کر دیتے ہیں۔ اسی بے چارے نے ہمیں بٹھا کر پیپسی دو گلاس پیش کیے بڑے احترام کے ساتھ ہمیں رخصت کیا۔ اس ٹکٹ کو بمبئی کے بجائے دہلی کروانے کے لیے ایک ایک شناسا نے چار سو ریال مانگے تھے۔

میں نے پہلی بار کمپیوٹر دیکھا کہ سیکنڈوں میں ہماری ٹکٹ او کے ہوگئی۔ میں نہیں سمجھ سکا اس سعودی نے کیوں اتنی ہمدردی سے کام لیا۔ شائد ہم چھوٹے چھوٹے تھے یا ان کا ضمیر اور دل ہی ایسا ہے جو خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ہم ائیر کنڈیشنر روم میں تھے۔ جسم بھی ٹھنڈا ہوا اور ہمارا کام بھی ہوا۔ ہم نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ اور وہاں سے چل دیئے، واپسی پر معلم کے ہاں ظہرانہ کیا۔ نمازیں حرم میں ادا کی، شام کو الوداعی طواف کروانا معلم کے ہاں کھانا کھا کر اجازت طلب کر کے کچھ روزمرہ کا سامان ساتھ لیا۔ بعد میں حرم میں پھر حاضر ہوئے۔ خوب دعائیں کی۔ اللہ ہمیں بھی ہر سال اس مقدس گھر کا طواف کرنا، حرم سے نکلتے ہوئے ہماری نظریں کعبہ پر مرکوز پیچھے کی طرف آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ یہاں تک باب عبدالعزیز سے باہر ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہہ رہی تھی دروازے سے باہر ہوتے ہی خانہ کعبہ آنکھوں سے اوجھل تھا۔ اب صرف حرم کا بیرونی دلکش سبزی چاندی جیسا چمکتا ہوا منظر دکھائی دے رہا تھا اس کے تمام نورانی مینارے دور تک دکھائی دیتے ہیں۔ اب باہر کھڑے تھے مدینہ کی طرف جاتی ہوئی سڑک پر چند ساتھی

بھی ساتھ تھے جو ہمیں الوداع کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک ڈرائیور مدینہ مدینہ کہتا ہوا سامنے کھڑا ہوا۔ میں نے دیکھا گاڑی میں چند نوجوان کشمیری مرد وزن باریش خوش اخلاق نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ڈرائیور کو عربی میں پوچھا، اسیارہ فی الجدید فی القدیم۔ ڈرائیور نے کہا فی الجدید۔ پھر میں نے پوچھا کم فلوس ریال۔ جواب میں اس نے کہا خمسین ریال۔ ان سوال وجواب کے بعد ہم گاڑی میں بیٹھ گئے۔

رات کے ساڑھے نو بج چکے تھے۔ میری نظریں بیت اللہ کے میناروں کا آخری دیدار کر رہی تھی کعبہ کو چھوڑنے کا دل نہیں چاہتا تھا لیکن کب تک میری کیفیت کچھ ایسی بنی تھی جیسا کہ بچہ والدین سے جدا ہوا رہا ہو۔ غم سے آنسوں جاری آخری سلام و دعائیں کر رہا تھا۔ لیکن یہ بھی سوچ رہا تھا کہ مجھے پیغمبر انقلاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضری دینی ہے۔ دس بجے ہمارا سفر شروع ہوا۔ ہم نے مکہ کے وہ حسین وجمیل رحمت سے بھرے ہوئے پہاڑوں کو خیر باد کرنا شروع کیا۔ اس طرح سے کسی اور وادی میں شب کی تاریکی میں صرف پہاڑوں کا سلسلہ تاحد نظر دکھائی دیتا ہے۔ صرف چھوٹی چھوٹی وادیاں تھی۔ پہاڑ، ریتلے میدان دور کہیں کہیں درختوں کے نشانات سنسان وادی میں قدرے دھیمی دھیمی ہوا کے جھونکے اس گرم فضا میں جسم کو چھوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ سفر جاری تھا۔ دل میں خطرہ تھا کہ کہیں ہم سے سعودی سپاہی کھڑے کر کے جزیہ وصول نہ کریں۔ اس کی حقیقت یہ تھی انٹرنیشنل پاسپورٹ پر سفر کرنے والوں سے کبھی وصول کیا جاتا ہے۔ سفر بڑھتا گیا، رات ایک بجے ہم وادی ستارہ میں جاپہونچے۔ جہاں پر ڈرائیور نے گاڑی کھڑی کی اور یہاں مسافروں کو روکا جاتا ہے تاکہ وہ حاجت وغیرہ سے

فارغ ہوں اور چائے وغیرہ پی لیں۔ تا کہ اُن کی تھکاوٹ دور ہو سکے۔
یہاں بھی ایک حقے کی دوکان دیکھی۔ چار پانچ حقے پڑے ہوئے تھے۔ اور اانئے ہی شیدائی تکیوں کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے بڑے آرام سے مزے لے رہے تھے۔ یہ حقے بھی ویسے ہی تھے جیسا کہ مکہ مکرمہ میں معلموں کے ہاں ہوتا ہے۔ عربی ایسے جھٹے ہوئے جیسے شام کو ہندوستان کے شراب خانوں پر عاشقوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ صرف ایک ریال پر سفر بڑھ رہا تھا۔ نیند کے جھونکے بھی تازہ ہوا کے ساتھ محلول ہو رہے تھے۔ اس طرح سے سرزمین مقدس جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساڑھے چودہ سو سال قبل دعوت حق دی تھی۔ ان زروں، پہاڑوں، ریگستانوں، گھاس کے تنکوں جھاڑیوں، پتوں، کھجور کے درختوں کو بغور دیکھ رہا تھا اور ان کو مبارک بادی دے رہا تھا۔ جب پوری دنیائے عرب جہالت اور گمراہی میں تھی صرف مکہ اور مدینہ کی خوش نصیب دھرتی تھی۔ جہاں سے انسانیت کا درس۔ سارے جہان کے لیے باعث رحمت اور بخشش کا سامان بن چکی تھی۔ اسی تذبذب میں جب کھجوروں کے درخت اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے محسوس ہونے لگے۔ بجلی کے قمقمے دکھائی دینے لگے۔ تیس میل قبل ہی مسجد نبوی کے مینارے گنبد رسول کے رحمت کی گھٹاؤں سے چمکتی ہوئی دھرتی دکھائی دی۔ اب دل میں ٹھان لی۔ یہی وہ مقامات ہیں جو روضہ رسول کی گواہی دے رہے ہیں۔ جوں جوں نزدیک پہونچ رہے تھے۔ درود پاک ذکر واذکار کی صدائیں ہماری گاڑی میں گونجنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ڈرائیور کی تیز رفتاری نے تین بجے کوچہ حبیب، جنت البقیع، دامنِ رسول میں پہونچا دیا۔ آقا کے غلام حاضر ہو چکے تھے۔ اس طرح آقا مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ کچھ آ رہے تھے کچھ جا رہے تھے۔

دلوں کے اوپر نرمی نے قبضہ کیا تھا۔ گرمی پر پانی کی بوندوں نے اثر جمالیا تھا۔ گاڑیوں کا تانتا چاروں طرف قدرے شور وغل تھا۔ ہمیں ڈرائیور نے باب السلام کے نزدیک لا کھڑا کیا۔ گاڑی سے باہر نکلتے ہی میں نے چپل پاؤں سے نکال دی۔ اس شوق سے یہ حبیب کی دھرتی ہے میرے جیسا گنہگار چپل پہن کر چلے۔ نظر دوڑائی، چاروں طرف زائرین حجاج کرام سفید چادروں میں ملبوس تاحد نظر سوئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا لگ رہا تھا لاکھوں جنازے زمین پر پڑے ہیں۔ اب صرف ان کو آخری رسم دفنانے کی ادا کرنی ہے اور یہ لوگ جو گھروں میں ریشمی اور مخملی بستروں پر سونے والے خاک طیبہ پر صرف ایک چادر بچھائے ہوئے غنودگی میں خرّاٹے مار رہے تھے۔ ہم نے سامان گاڑی سے نکال کر ایک طرف رکھ دیا۔ پہلے جا کر وضو بنایا، بعد چند نفل شکرانہ کے صحن مسجد نبوی میں ادا کیے۔ انتظار میں بیٹھے تھے، چار بجے مسجد نبوی کے تمام دروازے کھول دیئے گئے۔ بہت سے حجاج دروازوں کے قریب کھڑے تھے جوں ہی باب سلام کا دروازہ کھلا میں بھی حجاج کرام کے ساتھ دوڑتا ہوا سیدھا روضہ رسول پر حاضر ہوا۔ اگرچہ یہاں دوڑنا بھی گستاخی ہے۔ پھر بھی شرمندہ تھا دل سیاہ گناہوں سے دامن بھرا ہوا جسم کا ہر حصہ ناپاک اگرچہ میں نے حج جیسا مقدس فریضہ ادا کر دیا تھا۔ فرمودِ نبی کے تحت میں عرفات کے میدان میں ایسا ہو چکا تھا جیسا شیر خوار بچہ۔ پھر بھی یہ اُسی رسول کے سامنے حاضری تھی جس کی نظر تمام حجاج کرام کے اعمال ناموں پر ہوتی ہوگی۔

میں نے جھٹ سے سلام کیا، درود پڑھ رہا تھا۔ دعائیں بے ساختہ نکل رہی تھی۔ آنکھیں اشک بار، دل شرمسار، جسم پژمردہ، ذہن ماضی کی خطاؤں کو

دہرا رہا تھا۔ اسی میں شاعر اسلام حفیظ جالندھری کی نعت پڑھنی شروع کر دی جس کا مصرعہ کچھ اس طرح ہے ؎

سلام اے آمنہ کے لعل اے محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوع انسانی

اس طرح سے ہدیہ دل پیش کر رہا تھا۔ رحمت باری جوش میں آئے، پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بھی بخشش ہو سکتی ہے۔ اگر نہ آئے تو بڑے بڑے ولیوں کو بھی جہنم رسید کر سکتا ہے۔ میں نے نعت پڑھ کے دل میں سکون پایا۔ پھر ریاض الجنۃ میں جگہ لے لی۔ ریاض الجنۃ وہ جگہ ہے جو روضہ رسول اور منبر رسول کے درمیان والی جگہ ہے جس کے لیے رسول خدا نے بشارت دی ہے کہ یہ جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے اور یہ بھی فرمایا جس نے ریاض الجنۃ میں نوافل یا نماز ادا کی۔ تو قیامت کے دن وہ جگہ خدا کے ہاں سفارش کرے گی اس طرح یہ بھی فرمایا جس نے میرے روضے پر حاضری دی۔ قیامت کے دن میری سفارش لازمی بن جائے گی اس کی بخشش کے لیے ہم نماز تہجد، فجر اور قرآن پاک کی تلاوت میں صبح نو بجے تک مصروف رہے۔ اس طرح آج کی نماز ساٹھ ہزار نمازوں کے ثواب کے ساتھ ادا کی۔ اب ایک کونے میں جا کر سو گئے۔ کیونکہ نیند کا بہت بڑا بوجھ تھا، اُسے ہلکا کرنے کے لیے ۱۲ بجے تک آرام کیا۔

بیدار ہونے پر غسل اور ناشتہ کیا۔ پھر نماز ظہر سے عصر تک ریاض الجنۃ میں تلاوت اور نوافل میں مصروف رہے۔ بعد عصر شہر مدینہ میں گشت کے لیے چلے گئے، ایسا لگ رہا تھا مدینہ طیبہ میں پورب، پچھّم، اُتر، دکن سے آئے ہوئے ہر بستی کے لوگ تجارت کرتے ہیں۔ خاصی تعداد عربیوں کی ہے۔

میں سوچ رہا تھا انسان کامل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں مدینہ تو ایسا شہر نہ ہوگا۔ پھر بھی حضور نے دعوت حق کی صدائیں ان ہی گلیوں سے بلند کی۔ مغرب وعشاء کے بعد ہم نے مسجد نبوی کے مشرقی صحن میں باب السلام کے نزدیک ایک چٹائی ڈال کر مسجد نبوی کے بند ہوتے ہی سو گئے۔ اس طرح سے چالیس نمازوں کی ادائیگی کی پانچ نمازیں کم ہو گئی ہیں۔

یوم اثنین وہی معمول غسل وغیرہ کے بعد نماز، ذکر واذکار، نوافل، تلاوت کلام پاک اور حاضری روضہ رسول کی جالیوں کے سامنے اپنا نذرانہ اور دعائیں پیش کرتے رہے۔ اس دربار پر ولی، محدث، فقیہی، عالم، بادشاہ، غلام، آقا، تمام اپنے نذرانے درود وسلام کے بعد اشک ندامت بہاتے ہیں۔ اس طرح اللہ کی رحمتوں سے اپنی جھولیوں کو بھر دیتے ہیں۔ مجھے آج مسجد نبوی سے کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسا مکہ میں اللہ کا جلال، مدینہ میں اللہ کا جمال، مکہ میں اللہ کی رحمتیں مدینہ میں اللہ کے برکتیں مکہ میں اللہ کی صفات، مدینہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات اور پھر مکہ میں اللہ کا جمال، مدینہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال، مکہ میں اللہ کی ربوبیت، مدینہ میں رسول کی شریعتِ قریہ قریہ اور ذرہ ذرہ میں چھائی ہوئی تھے۔ میں گرمی کی شدت، جسم کی پژمردگی، روح کی تازگی، یہ دن بھی کوچہ رسول میں باب جبرئیلؑ کے نزدیک جالی رسول کو دیکھتے دیکھتے گذر گیا۔ اس طرح رات گیارہ بجے دیارِ رسول میں بعد عشاء فرش پر ایسے سو گئے جیسے کہ مخملی بستر سجا ہوا تھا، گہری نیند میں خرّاٹے مارنے لگا، اس طرح بوجھل جسم کو نیند کے ذریعے ہلکا کرنے لگا۔ آج مدینہ کی گرد ونواح کی تمام مساجد وغیرہ دیکھی۔ پھر روزانہ جنت البقیع میں حاضری دی۔

یوم ثلاثہ: جمعہ مبارک شکروار تھا تہجد کی نماز نہ پکڑ سکے۔ شاید شیطان

یہاں بھی اپنا اثر جمائے ہوئے ہے۔ فجر اور تلاوت سے فارغ ہوتے ہی سو گئے، دیر گئے جاگے میرا ساتھی کسی غرض سے باہر گیا۔ میں نے کپڑے دھو لیے، غسل کیا، ناشتہ کرنے کے بعد جنت البقیع میں حاضری دی۔ یہاں سے مدینہ شہر میں گشت کیا۔ بازار مدینہ بھی کیا خوب ہے رحمتوں، برکتوں والی سرزمین، یہاں بہت سی مارکیٹیں ہیں، دوکانیں عربوں روپیوں کے سامان کے بڑے بڑے سٹور پھر دنیا کی ہر چیز خالص اور سستے داموں میسر ہیں عربی خندہ پیشانی سے ہر حاجی صاحبان سے ملتا ہے اور اپنے کام میں مصروف عمل ہے۔ وام واجبی چیزیں معیاری دور تک گھومتے رہے۔ اس طرح شہر کی دو تین مساجد بھی دیکھی پھر کھانا کھایا۔ ظہر کی نماز میں حاضر ہو گئے۔ آج مسجد نبوی میں تِل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ پھر بھی دیکھ رہا تھا چاروں طرف پانچ چھ لاکھ کے قریب لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دور تک دکھائی دیتا ہوا مسجد نبوی کے سایے تلے ساٹھ ہزار نمازوں کا ثواب حاصل کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ حاجی صرف ارکان کو پورا کرنے ہزاروں زائرسیر کے بہانے تاکہ اس سرزمین کو بھی دیکھا جائے۔ ہزاروں خرید وفروخت کے بہانے لاکھوں فریضہ حج کرنے کے بعد خدا کی بخشش اور قیامت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش کی غرض سے آتے ہیں۔

ان میں ہر رنگ ونسل کے لوگ ہیں۔ کوئی گورا، کوئی کالا، گندمی، بھانت بھانت کی زبانیں بول رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کرنے میں کوئی ذرا بھر کمی نہیں رکھی ہے۔ مرد وزن رنگا رنگ لباس میں ملبوس، ایک کلمہ حق اور ترانہ لبیک پڑھتے ہوئے ٹولیوں کی ٹولیوں میں آتے۔ ایک ہی دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ اس طرح سے روضہ رسول پر گریہ

زاری، چیخ و پکار، اور اشک ندامت بہاتے ہوئے۔ اپنی بخشش اور مغفرت کی دعائیں مانگ رہے ہیں اور ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ انسان محسوس کرتا ہے کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش سے میری دعائیں قبول کر لی ہیں۔ آج روضہ رسول والی سرزمین پر میرا پہلا اور آخری جمعہ تھا جو حضور کے دامن شہر مدینہ مینار نبوی، گنبد خضریٰ کے سائے میں چھ لاکھ حجاج کرام و زائر ساٹھ ہزار، نمازوں کا ثواب سمیٹنے کے لیے اسی بہانے یوم الجمعہ ادا کرتے ہیں۔ عام زائر یا حاجی صرف ارکان کو پورا کرنے اور خاص لوگ زندگی کا سب سے بڑا سودا کرنے کے لیے حاضری دیتے ہیں۔ کتنے پیاسوں کی پیاس بجھتی ہے، کتنی روحوں کو چین ملتا ہے۔ کتنی آہیں ہوا میں جاتی ہیں۔ کتنی لاشیں سکون پاتی ہیں۔ یہ درد کی داستان والی مدینہ اور پاسبان مدینہ کو پتہ ہوگا۔

ہم ظاہراً شریعت کو جان کر ہی ان آٹھ دنوں یعنی چالیس نمازوں کو گذارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم نے نماز ادا کر ہی دی۔ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے اماموں کا کیا کہنا جب نمازوں میں تلاوت کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے قرآن فرشتے ان ہی پر اتار رہے ہیں۔ تلاوت سنتے سنتے ہر آدمی آنسوؤں کی لڑی بہا دیتا ہے۔ مجھے ایسی تلاوت دنیا کہ کسی ملک کے ریڈیو سٹیشن سے بھی نہیں سنائی دی گئی۔ کیف سرور رحمت خداوندی کی بارش برستی ہوئی۔ اُن اماموں پر دکھائی دیتی ہے۔ حرم اور مسجد نبوی میں نمازیوں کا عجیب طور طریقہ دیکھا کوئی سرننگے، کوئی ہاتھ اٹھائے ہوئے، کوئی ہاتھ باندھے ہوئے۔ کوئی ہاتھ نیچے چھوڑے ہوئے۔ کوئی پاؤں کو پسارے ہوئے کوئی کھڑا کوئی بیٹھے ہوئے یاد خدا میں ہر دو جگہ مشغول ذکر اللہ کرتے ہوئے سربسجود یہ عجیب سا منظر ہے، میں دیکھ رہا تھا۔ مسجد نبوی اور حرم میں قرب جوار ہی نہیں بلکہ دور دور

سے لوگ نماز جمعہ ادا کرنے آتے ہیں۔ اس طرح سے دل کی پیاس بجھاتے ہیں اور درد بھرے نغمے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سناتے ہیں۔ بعد نماز چند جوانوں سے ملاقات ہوئی، جو اعرابی، ترکی اور ایرانی تھے۔ میانے قد کے خوبصورت ہشاش بشاش چہروں پر رحمت الٰہی چھائی ہوئی۔ سلام کے بعد ان کا پہلا سوال تھا کس ملک سے تعلق ہے۔ میں نے کہا الہند۔ جواباً انہوں نے کہا انا اعرابی و اعراقی۔ عربی کم آتی تھی، اس لیے انگریزی میں گفتگو ہوئی۔ ایسا لگ رہا تھا ملت اسلامیہ کا غم۔ ہر لفظ و بیان سے ٹپک رہا تھا، پتہ چلا ایک مسلمان کا غم ساری ملت اسلامیہ کا غم ہے اور ہم منٹوں میں اسلام کے لیے جان دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ مجھے ایسا لگا یہ اسامہ بن لادن نہ ہو۔ اقبال کا شعر یاد آ گیا۔

جوانے خوش گلے رنگین کلاے
نگاہ اُو چوں شیران بے پناہ

یہ کہہ کر تمام چلے گئے۔ لیکن مجھے اس پر سوچنے کے لیے چھوڑ گئے۔ میں اُن کی تلاش جاری رکھ سکوں۔ اس کے بعد ہم گنبدِ خضریٰ کے اوپر کا منظر دیکھنے کے لیے چلے گئے۔ کالی کملی والے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ دیکھ رہا تھا کتنے خوش نصیب ہیں۔ وہ کبوتر جو گنبد خضریٰ کے ساتھ لپکے رہتے ہیں اور بہت سے اپنی جانیں نچھاور کر دیتے ہیں۔ ان کا عشق عشقِ رسول تھا۔ میرا عشق عشقِ مدینہ تھا۔ اور وہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور میں مدینہ شہر میں آوارہ گھوم رہا تھا۔ مصنوعی اور قدرتی چیزوں کا مشاہدہ کر رہا تھا اور یہ بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ کبوتر آزادی سے تاحیات روضہ رسول کا طواف ہی نہیں کرتے۔ بلکہ اسی بے چینی میں اپنی جانیں بھی نچھاور کر دیتے ہیں جیسا پروانہ شمع پر خاکستر ہو جاتا ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر ہماری آنکھیں نم دیدہ تھی اور دل شرمندہ۔ یہاں سے

پورے مدینہ شہر کی طرف نگاہ گئی دور تک سفید مرمرین سلوں سے بنی ہوئی دوکانیں دکھائی دے رہی ہیں۔ گرمی کی شدت سے تو جلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اردگرد پہاڑوں کا سلسلہ دور تک دکھائی دے رہا تھا۔ یہاں سے نیچے جانے کے بعد کچھ مساجد اور مدینہ کی گلیوں کا چکر کاٹ کر جالی رسول کے ساتھ باقی نمازوں کو ادا کیا۔ کھانا کھانے کے بعد پھر فرش پر دور جا کر چٹائی کو مخملین بستر بنا کر نیند کی آغوش میں سو گئے۔ آج مدینہ میں ریال کی قیمت ہندوستانی چار روپیہ ہے۔

یوم اربعہ: حسب دستور فجر کے بعد جنت البقیع میں حاضری دی۔ حضرت فاطمہ حضرت عثمان وعلی کی قبر اطہر پر خصوصی حاضری دی۔ خانوادہ رسول کے اکثر افراد یہاں ہی مدفون ہیں ان کی قبروں کے اردگرد کچھ پتھر سے لگے ہوئے ہیں۔ جو غالباً ساڑھے چودہ سو سال کی گواہی دے رہے ہیں۔ جنت البقیع بھی جنت کے باغوں کا ایک ٹکڑا ہے کتنے ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو آخری آرام گاہ یہاں نصیب ہوتی ہے۔ یہ بھی دور تک ریتلا میدان دکھائی دے رہا ہے۔ یہاں کوئی بھی قبر پکی نہیں ہے۔ صرف کچھ قبروں کے شانے پر صرف ایک پتھر دھرا جاتا ہے لوگ یہاں بھی زاروقطار چیخ چیخ کر روتے ہیں۔ نہ جانے کیوں موت مانگتے ہیں یا صحابہ کی زندگی یاد آتی ہے یا خانوادہ رسول کو اپنا حال بیان کرتے ہیں ہم نے بھی حاضری دی۔ اگرچہ عقل وشعور سے ہم خالی ہیں۔ لیکن اخلاص ومحبت ضرور رکھتے ہیں۔ واقعی حج توبہ کی جگہ ہے اور بخشش کا سامان ہے جہاں انسان کے دل موم بن جاتے ہیں اور وہ بیتی زندگی پر پچھتاتا ہے۔ ہم بھی ماضی کی غلطیوں پر نادم تھے۔ خوب دل دوز دعائیں کی۔ یہاں سے واپسی پر آستانہ رسول پر حاضری دی۔ حفیظ جالندھری کی

نعت سلام اے آمنہ کے لعل اے محبوب سبحانی اور برادر اکبر شہباز راجوری کی نعت ''بادشاہا ڈیڈ تل پیاران غلام'' گنگنانے لگا۔ نعت پیش کرنے پر میری کیفیت اور بدل گئی۔ میں بے خود سا ہو گیا۔ میرے ندامت کے آنسو نہ رکے میں چیخ رہا تھا۔ ایسا رو رہا تھا جیسا کہ میرے والدین میں کسی کا انتقال ہو چکا تھا۔ ویسے بھی میں نے والدین کے مرنے پر بہت ضبط کیا تھا۔ آنسوؤں کی ایسی لڑی یا بارش سے میں ایسا محسوس کر رہا تھا جیسا کہ اللہ نے مجھے خانہ رسول پر بلا کر بخشش کا سامان کر دیا ہے۔ میری دیوانگی کی کیفیت سے مجھے دن بھر کا کھانا ہی بھول گیا تھا۔ صرف نمازوں کا اہتمام رہا، میرے منہ سے بے ساختہ دعائیں نکل رہی تھی۔ اے اللہ میرے تمام خاندان والوں کو اس مقدس گھر کا دیدار ضرور کروانا پھر رات کو اسی چٹائی پر دراز ہو گئے اور نیند کا بوجھ ہلکا کرنے لگے۔

یوم خمسہ: بعد ناشتہ حسب معمول جالی رسول کے ساتھ دن گذرنے کا موقع ملا۔ حجاج گروہ در گروہ ایرانی، افغانی، امریکی، انڈونیشاہی، ملیشائی، روسی، چینی، ترکی، عراقی، فلسطینی، پاکستانی، ہندوستانی، افریقی، غرض دنیا کے ہر ملک سے آئے ہوئے حجاج کرام مرد وزن، بچے و جوان مسجد نبوی کی حاضری کے بعد مدینہ کی گلیاں چھانٹ رہے ہیں۔ اور دولت کو پانی کی طرح بہا رہے ہیں۔ سنا ہے عرب میں بڑے بڑے رؤساء امیر رہتے ہیں۔ یہ یہاں ہی نہیں بلکہ تمام دنیا میں مسلمانوں نے دولت کو بے راہ روی، لغویات، فضولیات، یعنی مکانوں اور عیاشی پر لگا کر برباد کر رہے ہیں۔ جب کہ آج بھی یتیم بے سہارا مفلوک الحال، تنگ دست بیوائیں محتاج ترس رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری ملت کے فلاحی ادارے، شفا خانے، سکول، کالج،

مساجد، مدارس، دیگر دینی وعصری علوم پر خرچ کرنا چاہیے تھا۔ تا کہ مسلمان قوم بھی تعلیم وترقی میں دیگر قوموں کی طرح آگے بڑھتی، لیکن مسلم قوم نے اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ نتیجتاً ابھی بھی مسلمان قوم پانچ سوسال تک غاروں والی اور غیر مہذب زندگی گذار رہے ہیں۔ کسی قوم کی تقدیر کو بدلنے کے لیے صرف تعلیم کی ضرورت ہے جب قوموں میں تعلیم آتی ہے وہ معاشی طور پر بھی ترقی کرتے ہیں۔ ابھی بھی دھیان دینا ضروری ہے غیر مسلم قوم مٹھی بھر اسرائیل اتنی بڑی بڑی مسلم قوم کو جو ایک ارب تیس کروڑ کے قریب ہے تقریباً پچاس کے قریب اسلامی ممالک ہیں۔ کیسے ذلیل اور رسوا کرنے کے لیے تلی ہے۔ مٹھی بھر اسرائیل نے تمام عرب کی قوموں سے فلسطین چھین لیا اور ان کو کیسے ملک بدر کیا ہے صرف دوسری طرف تعلیم کا رخ سائنس اور ٹیکنالوجی نے لیا جس کی وجہ سے غیر مسلم قومیں منظم ہو کر اسلام کے خلاف صف آرا ہیں۔

اس طرح پوری دنیا پہ نگاہ ڈالیے کیا کچھ ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ مسلمان کہاں گئے ہیں کہاں ان کا ایمان چلا گیا ہے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ مسلمانو سوچو اور خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ کیا آج بھی زمانہ خالد بن ولید، سعد بن وقاص، محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی کی تلاش میں ہے۔ پھر سے ایسے لوگ کہاں سے پیدا ہوں گے۔ یہ مسلمان قوموں کی مائیں، سوچیں اور غور کریں۔ نیک، صالحہ، مجاہد بھی ماؤں کی گودوں سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ماؤں کی ذمہ داری کیا بنتی ہے آج پھر نزدیکی مساجد و کچھ صحابہ کے مکانات دیکھیئے جو اُسی زمانے کی اینٹوں، چونے سے بنے ہوئے کھنڈرات دکھائی دیتے ہیں واپسی پر میرا دوسرا ساتھی آرام کرنے کے لیے سوگیا۔ آرام طلب ڈھیلا، اور غنودگی میں اکثر رہتا ہے نیند کا غلبہ طاری رہتا ہے۔ اسی بہانے مجھے

بھی نیند کی گولی کھانی پڑتی تھی۔ شام سے عشاء تک دینی تقریر ایک کونے میں مسجد نبوی میں سننے کا موقع ملا۔ بڑی سنجیدہ گفتگو تھی دل چاہتا تھا کہ بیٹھا ہی رہا جائے۔ لیکن عشاء کی اذان ہو چکی تھی بعد عشاء کھانا کھا کر صحن حرم میں دراز ہو گئے۔

یوم شعون: حسب معمول تہجد کے لیے کھڑا ہوا۔ دیکھا مسجد نبوی کے اردگرد وی آئی پی گاڑیوں کی آمد آمد ہے۔ کچھ سپاہ بھی دور دور دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے شک گذرا۔ کوئی خاص بات ہے۔ نماز فجر کے بعد میں بھی جلدی جلدی باب السلام سے باہر نکل آیا۔ اتنے میں دیکھا باہر دور تک ہزاروں لوگوں کی قطاریں کھڑی ہیں۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا جرنل ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان، روضۂ رسول پر حاضری دینے آئے ہیں۔ میں بھی مشتاق تھا کہ میں جرنل صاحب کو خود دیکھوں، ملوں۔ دیکھتے ہی دیکھتے روضہ رسول سے باب السلام تک ساری جگہ خالی کروادی گئی۔ میں باب السلام کے دروازے کے ساتھ کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اتنے میں فوجیوں کا قافلہ اردگرد درمیان میں جرنل ضیاء الحق صاحب ہشاش بشاش چلے آرہے ہیں۔ میانہ قد، خوبصورت چہرہ، داڑھی منڈوائی ہوئی، سفید شلوار قمیض اور سفید سویٹر سر پر حجاج کی سفید ٹوپی لگائے ہوئے۔ بڑی ناک ہونٹ موٹے بیچ میں ایک سفید چاندی جیسا دانت آگے کو نکلا ہوا لمبے لمبے کان ملایم سفید ہاتھ ہلاتے ہوئے تمام حجاج کرام کو سلام کرتا ہوا باہر نکل رہا تھا۔ لوگ ایسے چپٹے جارہے تھے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے چھتے پر جب وہ منتقلی کرتے ہیں اس وقت اپنے رہبر کو درمیان میں رکھ کر تیزی سے دوڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ وہی منظر میں جرنل صاحب کا دیکھ رہا تھا۔ میں دروازے کے قریب اونچائی پر تھا، مجھے بھی موقعہ ملا

میں نے جرنل صاحب کے ساتھ السلام علیکم کہا اور ہاتھ ملایا نہایت ہی نرم روئی جیسا ملائم ہاتھ تھا۔

پاکستانی خصوصی عالم اسلام کے عمومی والہانہ محبت اور عقدت سے اپنے لیڈر کو ہاتھ ملا ملا کر سلام کر رہے تھے۔ مجھے مرحوم ذوالفقار علی بھٹو بھی یاد آ گئے جنہوں نے بڑی خیر خواہی سے ان کو چیف آف دی سٹاف بنایا تھا۔ بھٹو قابل، محنتی اور جوشیلے سیاست دان تھے ان کو کیا خبر تھی۔ یہی ان کی موت کا سامان بنے گا۔ بھٹو کی پھانسی پر دنیا کے بیشتر ممالک نے اپیل کی تھی۔ لیکن جرنل صاحب نے اقتدار کی خاطر ایک بھی بات نہ مانی۔ یہ ۱۹۷۸ء کا واقعہ ہے جرنل صاحب کا چہرہ سیاست دان تو نہیں لگ رہا تھا۔ البتہ مومنانہ جلال اور فوجی انداز ضرور ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ میں سوچنے لگا کیا انسان ہی انسان کو مارتا ہے۔ پھر اُسی لمحے خیال آیا۔ فیصلے تمام اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ بہانہ انسان ہی بنتا ہے اگر جرنل صاحب نے بھٹو کو غلط پھانسی دی۔ تو اللہ کبھی بھی قیامت کو نہیں بخشے گا۔ جب تک قتل کا بدلہ قتل نہ ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ تمام قافلہ باب السلام سے دور آگے نکل گیا۔ یہ ہاتھ ہلا رہا تھے۔ قافلہ پیچھے دوڑ رہا تھا۔ چلتے چلتے رُک گئے پھر قدم دھیمے دھیمے آگے کاروں کے قریب پہونچ کر عرب کے سیاہ آفیسر نے جرنل صاحب کے منہ و ماتھے اور دونوں گالوں پر بوسہ دیا۔ جرنل صاحب نے بھی ویسا ہی کیا۔ ایسا کرنا عرب قوم کی محبت کا دستور ہے۔ اتنے میں ایک کار میں بیٹھ گئے آگے پیچھے کاروں کا ایک بہت بڑا ہجوم دوڑ رہا تھا۔ ہم دیکھ رہے تھے دور تک جرنل صاحب کا ہاتھ ہوا میں لہراتا ہوا دکھائی دیا۔

یہ وہ لمحہ تھا جب ایک ملک کا سربراہ دوسرے ملک کے سربراہ سے مل کر

جدا ہورہا تھا۔ بعد ظہر میں نے کچھ تسبیحات اور کچھ دیگر چیزیں مسجد نبوی کے باہر لیے بیٹھا تھا۔ تقریباً تین سو ریال کا مال تھا محکمہ بلدیا کا آفیسر آیا۔ انہوں نے مجھ سے جبراً چھین لیا۔ میں نے اس سے گذارش کی لیکن بے سود ثابت ہوئی۔ وہ گاڑی میں ڈال کر چل دیا۔ اتنے میں ایک بمبئ کے حاجی صاحب جو میرے نزدیک ہی کھڑے تھے۔ وہ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کا نام فاروق بھائی تھا۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا۔ کیا وجہ ہوئی۔ کہاں رہتے ہو۔ اُس نے اپنی جیب سے پچاس ریال نکالے، مجھے دینے لگا۔ بیوی نے کہا میری طرف سے بھی اتنی ہی مدد کرواب کیا تھا۔ ان کے ساتھ ایک چھوٹی بچی جو غالباً سات آٹھ سال کی تھی۔ کتنی ہیں ابو میری طرف سے چچا جان کو اتنا ہی دے دو۔ اب بھائی فاروق صاحب نے ایک سو پچاس ریال نکالے اور مجھے دیئے۔ میں نے لینے سے انکار کیا اس نے مجھ سے پوچھا آپ کیا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا مجھے اگر سامان واپس مل جاتا تو بہتر تھا۔ ورنہ مجھے پھر بھی آپ کا ہدیہ قبول نہیں ہے۔ کیونکہ میں بھیک نہیں لیتا ہوں۔، اُس نے مجھے درود شریف پڑھنے کے لیے کہا اور ہمارے لیے چائے کے تین کپ منگوائے۔ ہم تینوں چائے پی چکے تھے۔ درود شریف پڑھتے اور ٹہلتے جارہے تھے۔ اتنے میں دیکھا وہ گاڑی واپس آئی۔ فاروق بھائی نے گاڑی والے کو رُکا دیا۔ اپنا کارڈ دکھایا۔ میرا ہوٹل بمبئ میں ہے۔ کبھی موقعہ ملے آپ ضرور آئیں۔ یہ غریب کشمیری ہے۔ اس کا سامان واپس کرو۔ گاڑی میں ایک ملازم کیرالہ ریاست ہند کا تھا۔ اُس نے کارڈ دیکھتے ہی میرا سامان واپس لوٹا دیا۔ میں فاروق بھائی کا تاحیات مشکور ہوں۔ جس نے میری مدد پہلے مالی معاونت کرنی چاہیے۔ پھر مجھے وہ سامان واپس دلوادیا۔ جس کی کوئی اُمید نظر نہیں آرہی تھی۔

فاروق بھائی بہت ہی نیک صورت و سیرت کے مالک ہیں اور لگتا ہے امیر گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔

میں محسوس کر رہا تھا۔ اس چھوٹی بچی کے اندر یہ ایمانی کیفیت اور دینی جذبہ کس نے پیدا کیا۔ کہ پریشان حال کی مدد کرنی چاہیے۔ یہ صرف والدین ہی کی تربیت تھی۔ جس کی وجہ سے یہ کمسن بچی بھی اپنا حصہ والدین سے دلواری ہے۔ ورنہ یہ وہ عمر بچے کی ہوتی ہے۔ اگر والدین دن کا پانچ سو روپیہ بھی بچے کو دین شام کو وہ تمام خرچ کر کے آئے گا۔ یہ میرے ہم وطن بہروٹ راجوری جموں و کشمیر والوں کے لیے سبق ہے۔ آیئے ہم دیکھیں ہمارے بچے اور ہمارا معاشرہ کیا ہے۔ میں نے تینوں کا دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کیا۔ معذرت بھی چاہی آپ کو میری وجہ سے تکلیف ہوئی ہے۔ محسوس بھی ہوا اچھے لوگ بلاتمیز مجبوروں اور ضرورت مندوں کی ضرور مدد کرتے ہیں۔ بسیار کوشش کی۔ بھائی فاروق مجھے نہ مل سکے۔ کارڈ دیا تھا وہ گر گیا۔ اللہ تعالیٰ بھی ایسے ہی لوگوں کے قریب ہوتا ہے۔ باقی گھڑیاں شہر مدینہ کی رحمتوں کے سائے میں ہی گذار دی۔ پھر رات کو صحنِ نبوی میں زوردار خرّاٹے مارنے میں مشغول ہو گئے جہاں لاکھوں زائر محو استراحت تھے۔

یوم زیارت: بہت دنوں سے سوچ رہے تھے کہ زیارت مدینہ مسجد نبوی کے علاوہ دیگر جگہوں کی کریں۔ آج صبح ہی سے تیاری کر کے ایک گاڑی میں بیٹھ گئے۔ جس نے دس ریال ہم سے لیے۔ گاڑی میں ایرانی، پاکستانی اور انڈونیشیا کے حجاج کرام تھے۔ مدینہ چاروں طرف سے برکتوں والا اور مقدس شہر ہے۔ اللہ کے دین کی نصرت یہاں ہی ہوئی۔ پھر ساری دنیا میں پھیلی۔ مدینہ کے علمی نور نے ساری دنیا میں اپنی علمی کرنوں سے منور کیا۔ مکہ منبع تھا۔

لیکن اللہ کو یہ منظور نہ تھا۔ اگر چہ بعد میں مکہ والوں نے ضرور محسوس کیا۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کا حکم مل چکا تھا۔ ایسا لگتا ہے آج بھی مکہ میں جلال ہے۔ مدینہ میں کمال ہے۔ مکہ میں جبار ہے مدینہ میں بہار ہے۔ مکہ میں غضب ہے مدینہ میں رحمت ہے۔ مکہ میں کرم ہے مدینہ میں بھرم ہے۔ مکہ میں اللہ کی بخششیں ہیں مدینہ میں اللہ کی نعمتیں ہیں۔ ڈرائیور نے ہمیں سب سے پہلے مسجد سجین مقام خندق پر جا پہونچا۔ یہ مسجد نبوی سے تقریباً دو کلومیٹر دور ہے۔ یہاں چھ مساجد ہیں۔ یہ تمام اونچی پہاڑی پر ہیں۔ مسجد محمد، مسجد علی، مسجد صدیق، مسجد عمر، مسجد سلمان فارسی اور مسجد فاطمہ جو اوپر سے کھلی ہے۔ یہ تمام مسجدیں چھوٹی چھوٹی اور مضبوط بنی ہوئی ہیں۔ لیکن اب بوسیدہ لگتی ہیں۔ اگر چہ رونق و رحمت سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر چہ لگتا ہے قدیم فنِ تعمیرات کے اثر دکھائی دیتا ہے۔ میں نے ہر مسجد میں دو نفل تحیۃ المسجد ادا کیے۔ بہت بھیڑ تھی۔ یہ وہی مقام ہے جہاں خندق کھودی گئی اور جنگ خندق لڑی گئی۔ یہاں صحابہ کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق کھودے جا رہے تھے۔ بھوک سے نڈھال ہو کر صحابہ کرامؓ نے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھا ہوا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو پتھر باندھے تھے۔ یہاں سے ہمارا رخ مسجد قبلتین کی طرف ہوا۔ رحمتوں سے بھری ہوئی یہ وہی مسجد ہے جہاں تاجدار آقا نماز مسجد اقصیٰ کی طرف منہ پھیر کر پڑھ رہے تھے۔ نماز پڑھتے پڑھتے حکم ہوا تو خانہ کعبہ کی طرف رخ پھیر دیا۔ **شترو مسجد الحرام الی مسجد الاقصیٰ۔** اے میرے حبیب مسجد اقصیٰ کے بجائے اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کر دو۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے تمہاری دعا کو قبول کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار خانہ کعبہ کی طرف منہ کرتے رہتے تھے۔ اے اللہ کعبہ یعنی حرم پاک کو ہی میرا قبلہ

بنا۔ اسی بنا پر اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔ یہ وسیع خوبصورت اور رحمتوں والی مسجد ہے۔ آج بھی اس کے اندر دو محرابیں بنی ہوئی ہیں۔ ہم نے دو نفل شکرانے کے اور دو تحیۃ المسجد کے پڑھے اور دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔

یہاں سے گاڑی کا رخ غزوۂ اُحد یعنی شہداء اُحد جہاں مدفون ہیں چند لمحات کے بعد ہم وہاں پہنچے۔ اُحد پہاڑی بڑی دلکش حسین اور خوبصورت دو پہاڑوں کے درمیان میں گھرا ہوا۔ راستہ جو درہ کی مانند ہے واقعی لگتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو اسی جگہ ٹھہرنے کے لیے کہا تھا۔ کہ دشمن دوبارہ واپس نہ لوٹ آئیں۔ ہوا وہی صحابہ بھی مال غنیمت کے پیچھے چلے گئے اور حضور کے قول کو غالباً غیر ضروری سمجھا۔ دشمن کو موقعہ ملا، واپس لوٹ آیا۔ انہوں نے بہت سخت حملہ کر دیا۔ جنگ دوبارہ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر بڑے مرتبہ والے صحابہ یہاں شہید ہوئے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندانِ مبارک بھی اس جنگ کی نذر ہوئے اور دشمن نے یہاں تک افواہ پھیلا دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ یہ جگہ باعث عبرت بھی ہے۔ جنگ احد کے شہداء یہاں آرام فرما رہے ہیں۔ چاروں طرف چار فٹ کی دیوار کے اندر ہموار زمین جس میں اتنے جلیل القدر صحابہ مدفون ہیں۔ میں آج سید شہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر کھڑا تھا جس پر ایک پتھر کندہ تھا۔ نشان حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ لکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ۷، ۸ قبریں کھلے میدان میں، چودہ سو سال سے باران رحمت میں نہا رہی ہیں۔ یہ ایک کھلا میدان ہے جس میں دس گیارہ قبروں کے نشان ایک ہی سمت میں ہیں۔ جن کے لیے قرآن مقدس فرماتا ہے: **ومن یقتل فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء**۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں قربان ہوئے اُن کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اللہ ان کو رزق دیتا

ہے۔شہدائے بدر اور اُحد کو اللہ نے ان تمام نعمتوں سے نوازا ہے جن کے لیے
یہ آیت کریمہ اُتری۔شہدائے اُحد کو صحابہؓ اور بڑے بڑے اولیائے کرام نے
عالم اسلام کی جنگوں میں شریک ہوتے دیکھا ہے۔یہاں تک نبی آخرالزمان
اُن کے ساتھ شریک تھے۔میں نے فاتحہ خوانی کی، سورۂ یٰسین تلاوت کی۔
بس اُسی منظر کو یاد کر رہا تھا جب حضرت حمزہؓ شہید ہوئے۔اور پھر ہندہ نے کتنی
بے رحمی سے اُن کا کلیجہ تک چبا دیا تھا۔وہ منظر کتنا خوف زدہ ہوگا۔

مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ شہداء کا مرتبہ کتنا بلند ہوتا ہے۔پھر بھی میں عام
لوگوں کی طرح حاضری دے رہا ہوں۔یہاں سے قریب ہی مسجد نمرہ ہے۔
بڑی پاک صاف سادگی کی نشانی لگ رہی ہے۔دو دو نفل شکرانہ اور تحیۃ المسجد
ادا کیے۔خوب دعائیں عالم اسلام کے لیے اور اپنے خاندان والوں کے لیے
کیں کہ اللہ تمام کو جنگ احد کے شہداء کی قبروں کی زیارت کروانا۔اللہ دوبارہ
مجھے زیارت کروانا۔یہاں سے دو کلو کھجور بھی خرید لیے۔اتنے میں ڈرائیور نے
ہارن بجایا ہم تمام آخری سلام کرتے ہوئے اپنی سیٹوں پر جا پہونچے۔

اب گاڑی سیدھے مسجد جمعہ کے پاس پہونچی۔دو چار نفل ادا کیے۔
دعائیں ڈھیر ساری مانگیں۔مسجد جمعہ بڑی رنگین خوبصورت اور دلنشین ہے۔
یہ وہی مسجد ہے جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلا جمعہ مدینہ کے اندر پڑھایا
تھا۔مدینہ کی مٹی ہمارے لیے جنت کی مٹی ہے۔پھر مسجدوں، مدرسوں یا
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں ٹھہرے ہوں اُن کا کیا بیان اب پھر گاڑی میں بیٹھ کر
سیدھے مسجد قبا پہونچ گئے۔قبا وہ مقام ہے جہاں ہجرت کے موقع پر بہت
سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیام کرنے کے لیے کہا لیکن رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا جہاں پر میری اونٹنی رُکے گی وہاں ہی قیام ہوگا۔آخر یہ اونٹنی

اسی مقام پہ رکی جہاں پر مسجد قبا بنائی گئی۔ اور اس مسجد کی تعمیر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے ہاتھوں سے کام کیا۔ روایتوں کے اندر آیا ہے اس مسجد کی زیارت کرنا اور جو دو نفل ادا کرے اس کو ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔

اُس وقت مدینے کی پوری بستی مرد وزن گھروں سے باہر آ کر خوشیوں کے ترانے گاتے مرحباً مرحباً کہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کے ساتھ قیام کی دعوت دیتے لیکن آج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ذمہ نہیں لیا تھا بلکہ اونٹنی کی مرضی تھی کہ وہ کہاں پہونچے گی۔ رحمتوں اور برکتوں سے بھری ہوئی مسجد میں خوب دعائیں کی۔ یہاں قریب حضرت ابوذر غفاریؓ کا مکان دیکھا جہاں پہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر ٹھہرا کرتے تھے۔ یہ اینٹوں اور چونے کا بنا ہوا جس کے کھنڈرات آج بھی دکھائی دے رہے ہیں مکان کے اندر مسجد کی محراب اور چمنی آتش دان دو تین جگہ دکھائی دی۔ یہاں سے چونا اور مٹی میں نے تبرکاً ساتھ لیا۔ تھوڑی دور چل کر پانی کے دو کنوئیں دیکھے، پانی نیچے دور، حکومت سعودی نے ان پر کوئی توجہ نہ دی۔

پتہ نہیں کیا وجہ ہے یہ وہی دو کنوئیں ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی سے خرید لیا تھا۔ پھر مسلمانوں کے لیے وقف کیا تھا۔ اس طرح سے آج بقیہ مدینہ کی زیارت ہو گئی۔ مسجد نبوی میں اذان ظہر کی صدائیں گونج رہی تھی ہم بھی جا پہونچے۔ میں خوشبوؤں سے چمک اٹھا کہ میں نے آج وہ مقامات دیکھے جن کے متعلق سنا اور پڑھا تھا۔ یہ اللہ کی خوشنودی تھی اس نے مجھے اتنی ہمت بخشی کہ میں نے اُن جگہوں کا دیدار کیا جن کے متعلق میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ظہر سے عشاء تک ریاض الجنۃ میں ہی قیام کیا۔ مانگنا آتا نہیں تو کیا مانگوں۔ اللہ کا قرب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت تب ہی نصیب ہوگی۔ جب

مجھے مانگنا آئے گا۔ ابھی لگتا ہے میں مانگ نہیں سکتا۔ بعد عشاء باہر نکلے کھانا کھانے کے بعد صحن حرم میں گہری نیند میں سو گئے۔

یوم شَشُم: آج کوئے رسول میں حاضری کا آخری دن ہے۔ میں دعاؤں میں مدینہ بار بار آنے کی خواہش ظاہر کرتا۔ قبولیت اور ذریعہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ چالیس نمازیں آج شام کو پوری ہوجائیں گی۔ مدینہ کے گردو نواح کی زیارتیں ہو چکی ہیں۔ مختصر سی تیاری کے بعد کوچہ حبیب سے بعد عشاء رخصتی تھی۔ آج مہمانانِ رسول در حبیب کو الوداع کہہ رہے تھے۔ یہ بے چینی اور اضطراب کے لمحات تھے۔ غم سے سینہ نڈھال، جسم پژمردہ، ٹانگیں بے حس، دل مضطرب، اگرچہ میں روحانی کیفیت سے محروم تھا۔ لیکن جسمانی طور پر میں نہ چاہتا تھا کہ کوئے حبیب کو چھوڑ کر اپنی جہالت، گمراہی، شرک و بدعت والی بستی میں جا پناہ لوں۔ مدینہ کا منظر مسجد نبوی پر اللہ کی رحمتیں رسول خدا کی عظمت ایسا لگ رہا ہے محسن انسانیت آج بھی انبیاء شہداء اولیاؤں کو درس حدیث اپنی صدارت میں تقسیم کر رہے ہیں۔ میں اندھا، بہرہ، گونگا ہوں، میرے پاس وہ بصارت کہاں ہے اُن تمام روحانی مناظر کو دیکھ سکوں۔ جہاں پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج بھی دنیا کے تمام روحانی بزرگوں کو فیض جاری کیے ہوئے ہیں۔ میں ایک زائر تھا، میں محسوس کر رہا تھا۔ حج کی قبولیت اللہ کے ذمہ البتہ نورانی کیفیت چاروں طرف سے عیاں ہے۔ گنبد خضریٰ کا جلال، روضہ رسول پر انوار تجلی کی رحمتوں کی بارش میں بھیگتا رہتا تھا۔ جس سے آج فارغ چند گھڑیوں کے بعد ہو رہا تھا۔ اب میری آنکھیں بوجھل تھی سینہ غم سے نڈھال تھا، اتنے میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ روضہ رسول سے اجازت لے رہا تھا۔ آہستہ آہستہ پیچھے قدم باہر آ ہی رہا تھا کہ اتنے میں مجھے زوردار

چیخیں نکل گئی۔لوگ میری طرف متوجہ ہونے لگے اور سوچ رہے تھے اس کو کیا ہوگیا ہے۔

زہے نصیب مدینہ کو دیکھ پاؤں پھر
بلائیں آقا کہ شاید نہ ڈگمگاؤں پھر

یہ بڑا دردناک منظر تھا دل پر اس قدر چوٹ لگی ہوئی تھی۔جیسا کہ کم عمری میں میرے والدین مجھ سے جدا ہو گئے ہوں۔ میں مسجد سے باہر نکلا، پیدل چلنے لگا۔ ہماری گاڑی اب دو فرلانگ دور تھی۔ مدینہ کے وہ پاکیزہ، حسین، دلکش منظر اور بازار آنکھوں سے آہستہ آہستہ اوجھل ہو رہے تھے۔اتنے میں گاڑی میں بیٹھے چند لمحوں کے بعد گاڑی چل دی۔اب کیا دیکھتا ہوں دھیرے دھیرے گنبد خضریٰ و مینارے رسول بھی آنکھوں سے اوجھل ہوتے جارہے تھے۔آہستہ آہستہ عرب کی پُرفضا ہوائیں گلی کوچے اور روشنی کے مینارے جو پورے شہر کو چمکا رہے ہیں۔میرے دل کو نور کی روشنی سے بھر رہے تھے۔ ساری دنیا کو جس مسجد نبوی کا فیض مل رہا ہے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔اب مدینہ کی مٹی بھی دیکھنے کو نہیں ملے گی۔ پانچ کلومیٹر کے بعد پھر ہم عرب کے ریگستانوں میں سفر کر رہے تھے۔ وہی اونٹوں کی قطاریں، بکریوں اور دیگر جانوروں کے ریوڑ رات کی چاندنی بجلی کی روشنی میں چرتے کھاتے دور تک دکھائی دیتے تھے۔

عرب کی قدیم تہذیب آج بھی وہاں کے پہاڑوں، رتیلے میدانوں اور غاروں کے اندر رقص کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔اور لگ رہا ہے یہ وہی پرانی تہذیب تھی جو خراماں خراماں چلی آرہی ہے۔ریتلے میدان، صحرائی ریگستان، وادیاں جن کو پہاڑوں کی چوٹیوں نے گھیرا ہوا ہے۔اُن کے بیچ میں کہیں کہیں

خیمے، کہیں غالباً پتھروں کا بنا ہوا مکان دکھائی دیتا ہے۔ ان کے قریب جانوروں کا ریوڑ ساتھ ہی عرب کا بدوان کی نگرانی میں اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہے۔ میں راستے میں ایک سے مخاطب ہوا وہ عربی کے بغیر کچھ نہ جانتے تھے۔ جس کے لیے میں گونگا تھا۔ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے کس کی تہذیب، تمدن، بھائی چارہ کا آپ کو پتہ نہ چل سکے گا۔ صرف قیاس آریاں ہو سکتی ہیں۔ سفر بڑھتا گیا، منزل گھٹتی گئی، مدینہ طیبہ سے مکہ شریف پونے پانچ سو میل کا سفر ہے گاڑی میں آٹھ دس گھنٹے لگتے ہیں۔ اب مدینہ کی وادیاں گھٹتے گھٹتے مکہ کے خونخوار پہاڑ ہمارا استقبال کر رہے تھے اس طرح صبح پانچ بجے کے قریب جب حرم پاک میں نماز فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ ہم نے اللہ کے مقدس گھر پر دستک دی۔ حجاج وزائرین طواف نوافل قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف ہم بھی وضو کر کے ایک لاکھ نمازوں اور رحمتوں کو سمٹنے میں لگ گئے۔

انیس اور بیس ستمبر کے دو دن ہمیں حرم پاک کی زیارت کے لیے تھے۔ بیس ستمبر رات ایک بجے سعودی ایئر لائنز سے ہماری فلائٹ بہ طرف دہلی تھی۔ یہ دو دن حرم میں ہی اللہ کا کالا کوٹھا جو ساری دنیا کا مرکز ہے۔ اسی کے ارد گرد گھومتے طواف کرتے۔ مقام ابراہیم، حطیم میں نوافل ادا کرتے۔ حجر اسود کو بوسہ دیتے اور پھر زمزم کے گلاس جی بھر کر انڈیلتے۔ یہی کیفیت رہی، خوب سیر بھر کر کعبہ کو دیکھتے اور دیکھتے ہی رہ گئے۔ آج وہ بھیڑ نہ تھی وہ شور نہ تھا وہ صدائیں نہ تھی جو پہلے تِل دھرنے کی جگہ نہ ملتی تھی، آج خلقت کا انبار نہ تھا۔ حاجی یا زائر کو سامان کی خوب فکر رہتی ہے۔ یہاں سے زیادہ سے زیادہ سامان لے جا کر اپنے ملک میں خوب نفع لگا کر بیچا جاوے۔ یا رشتے داروں کے لیے کچھ تحفے وغیرہ تقسیم کرنے ہیں۔ اس طرح ہم نے بھی تیاری مکمل کر دی۔ معلم

صباغ سے اجازت طلب کی۔ معلم صاحب نے ہمیں ہر سال حج پر آنے کی تبلیغ کی اور وعدہ بھی لے لیا۔ ان دو دنوں ہمارا دسترخوان معلم صباغ صاحب کے ہاں تھا۔ بڑے نیک اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ ہمارا سامان بھی یہاں ہی رہا بیس ستمبر تاریخ شام آٹھ بجے طواف وداع کر کے رخصتی لینی شروع کی۔ دوستوں ساتھیوں اور اپنے ہم وطن بھائیوں جو حج وعمرہ کے لیے آتے ہیں۔ حج کے بعد وہ وہیں غائب ہو جاتے ہیں۔ جب تک وہ سرکاری طور پکڑے جاتے ہیں۔ ان ہی ساتھیوں میں ہمارے ساتھی حاجی حنیف مرزا، حاجی مجید حاجی خالد، حاجی اسلم میرزا کے علاوہ بہت سے حجاج کرام زیادہ تر پونچھ کے خصوصی، ان تمام سے اجازت طلب کرنے لگے وہ ہمیں الوداع کرنے کے لیے حرم پاک کے باہر آ گئے۔ حاجی حنیف مرزا، حاجی مجید مرزا میرے قریبی دوست رہے ہیں۔ یہ اسی سال حج کرنے گئے ہیں۔ یہ دونوں سخت قسم کے بریلوی نظریے کے لوگ ہیں اور اب یہ سرزمین عرب میں رُک گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کو کوئی تبدیلی وہاں آئے۔ یہ دونوں مرزا علی بہادر صاحب کے صاحبزادے ہیں، میرے پڑوسی ہیں۔

حاجی اسلم مرزا صاحب جو مرزا شیر محمد صاحب بہروٹ کے صاحبزادے ہیں میرے پڑوسی ہیں جو آنسو بھی بہا رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ آپ ہمیں چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو۔ آپ ہمارے ساتھ رہو کیا معلوم اس کے یہ آنسو آنکھوں میں اور باتیں ہمارے کانوں میں گھومتی رہیں گی۔ ایک سال کے بعد ایک فیکٹری کے حادثے میں جان بحق ہو گئے۔ پھر تین ماہ کے بعد اس کی لاش کو جدہ سے بہروٹ لا کر سپرد خاک کیا گیا۔ بڑا دلدوز سانحہ ہے جو جلدی آنکھوں اور دل سے اوجھل نہیں ہوسکتا ہے۔ مجھے مکہ سے نکلتے ہوئے وہ

آنسوں کا منظر تب تک نہیں بھولے گا جب تک کہ میں بھی عالم ارواح میں اس سے ملاقات نہیں کروں گا۔ یہ تمام ساتھی کھڑے تھے ہم گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ ادھر حرم کی جدائی ادھر ساتھیوں کا غم۔ دونوں ہمارے ساتھ دور تک چلتے گئے۔ یہاں تک مینارہ حرم نظروں سے غائب ہو گئے اور ساتھیوں کا غم بھی کم ہوتا گیا۔ اب جدہ کی کھلی سڑک پر ہماری گاڑی بڑی تیزی سے سو کلومیٹر فی گھنٹہ کے حساب سے چل رہی تھی۔ ریگستان، وادیاں، پہاڑیاں روئی کی مانند دھنی پیچھے کی طرف جارہی تھی۔ سڑک اگرچہ لمبی تھی مسافر اس کو ختم کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ کم وبیش دو گھنٹہ کے بعد گاڑی نے جدہ ایئرپورٹ پر پہونچا ہی دیا۔ سفر ختم ہو گیا۔ مقدس سرزمین حجاز اب دھیرے دھیرے آنکھوں سے اوجھل ہوتی جارہی تھی۔ ہم اس دھرتی پر چند لمحوں کے مہمان تھے۔ زہے نصیب پھر کب اور کہاں اس مقدس سرزمین کو ان آنکھوں سے دیکھ سکیں۔

اب سامان کا وزن کروانے لگے، ہمارا سامان قدرے زیادہ تھا۔ منت سماجت اور انگریزی زبان نے کچھ کام کیا اس طرح تین چار ہزار روپیہ ہمارا فی کس بچ گیا۔ باقی حجاج کرام کو ہم نے وزن سے زیادہ چیزوں کو گدے وغیرہ پھینکتے دیکھا۔ جہاز کے عملے کو ہماری کم عمری اور انگریزی زبان کی لذت راس آگئی۔

اب ہم ایئرپورٹ کے اندر جہاز کا انتظار کر رہے تھے۔ اتنے میں جہاز لگ گیا۔ ہمیں اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ ہمارے ساتھ کا بیگ مشین میں ڈالا گیا۔ وہ چلا گیا میں اندر جانے لگا۔ اس نے جانے نہ دیا، واپس آیا۔ پھر چند لمحوں کے بعد کہا اس نے پھر واپس کیا عربی میں کچھ بک رہا تھا۔ ایک تھپڑ بھی رسید کیا، پھر واپس چلا گیا۔ اتنے میں کسی نے کہا جیکٹ کو اتار دو۔ میں نے جٹ سے جیکٹ کو اتار اپھینکا تو اس نے اندر جانے دیا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ جیکٹ کے اندر تین عدد گھڑیاں تھی جو غالباً خطرے کی گھنٹی بجا رہی تھی۔ اُس کو اتارا اور خطرہ ٹل گیا۔ گیٹ سے داخل ہوا آگے میرا جیکٹ اور بیگ دونوں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے جٹ سے اٹھائے اور سیدھا جہاز کے دروازے پر پہونچ گیا۔ جہاں پر ہوسٹس خندہ پیشانی سے ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے ہمیں سیٹوں پر جا بٹھایا۔ ہم دونوں ساتھیوں کی سیٹ دروازے کے قریب ہی تھی کھڑکی بھی ساتھ تھی جہاز بھی سعودی ایئر لائنز کا بڑا خوبصورت جہاز جس میں دو سو پچاس کے قریب حجاج کرام اور دیگر مسافر سوار تھے۔ اب جہاز کے اندر تمام مسافر آچکے تھے دروازے بند ہو چکے تھے۔ ہوسٹس ضروری ہدایات دے چکی تھی، جس میں پیراشوٹ کا استعمال شامل ہے۔

رات کا ایک بج چکا تھا، تیئیس ستمبر کا دن چل رہا تھا۔ جہاز نے اُڑان بھرلی۔ اب ہم سرزمین حجاز کو چھوڑ چکے تھے، ٹافیاں دوائی وغیرہ بھی دستیاب ہو چکی تھی۔ ہمیں دور تک روشنی کے قمقمے چاروں طرف تا حد نظر دکھائی دیتے تھے۔ عجیب سا منظر جہاز کا ہوتا ہے۔ خاموشی کوئی شور شرابہ دھواں نہیں جیسے کہ ہم اپنے گھر میں بیٹھے جہاز چل رہا ہے۔ ہمارے کانوں کے ساتھ مائیکرو فون بھی تھے۔ درمیان میں ایک ٹی وی بھی تھا جو سفر کی منظر کشی کر رہا تھا۔ کہاں پہونچے، کون سی جگہ کتنی بلندی سے جہاز جا رہا ہے اتنے میں کھانا ملا۔ کچھ عرصہ کے بعد چائے پیش کی گئی۔ کھانے میں اتنا مزا نہ تھا جو مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں خشک روٹیوں میں تھا۔ ان میں اللہ کی برکتیں اور پیارے حبیب کی خوشبو چلی آرہی تھی۔ اگرچہ اس کھانے میں انگریز کی بُو دکھائی دے رہی تھی، سفر بڑھتا گیا جہاز خدا کے سہارے چل رہا تھا۔ ہوا کے جھونکوں یا

لہروں میں کبھی جہاز بھی لڑکھڑانے یا ملنے لگتا ہے۔

میں نے پہلے بھی لکھ دیا تھا یہ انسان نہ کہے کہ میرا کمال ہے راکٹوں اور جہازوں کی ایجاد ضرور کی لیکن ان کو چلانے والا ہواؤں اور سمندروں میں کون صحراؤں کے اوپر بڑی بڑی گھاٹیوں کے درمیان کون۔ اللہ ہواؤں، سمندروں، جنگلوں، پرندوں، کیڑوں مکوڑوں کو حکم دیتا ہے۔ ان انسانی کھلونوں کے ساتھ کبھی نہ چھونا اور راستہ دکھاتے رہنا۔ جہاز کے اڑان بھرنے کے بعد صبح آٹھ بجے کے قریب ہم پالم ائیر پورٹ پر وارد ہوئے۔ اس سے قبل جہاز کسی اور سٹیشن ائیر پورٹ پر اُترا تھا پھر وہاں سے اُڑان لی تھی۔ لیکن ہم نیند کی آغوش میں تھے۔ اس لیے یہ خیال بھی نہ رہا جہاز کہاں کہاں گیا۔ دہلی کے اوپر سے ہم دیکھ رہے تھے دور تک جلا ہوا شہر بستی دکھائی دیتی تھی۔ سڑکیں سفید دھاگے کی مانند، اس پر چھوٹے چھوٹے چوہے کی مانند کاریں رقص کرتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ جہاز سے بھی عجیب سا منظر دکھائی دیتا ہے۔ دنیا کی خوبصورتی صرف جنگلوں اور سبزہ زاروں کی وجہ سے ہے۔

پالم ائیر پورٹ دنیا کا ایک مشہور ائیر پورٹ ہے جب ہم باتھ روم میں گئے پاخانے سے بھرا ہوا اور پانی ندارد۔ شور کیا ہمیں پانی بوتلوں میں ملا۔ وضو وغیرہ کیا۔ نماز قصرادا کی، پھر کسٹم حال میں داخل ہو گئے۔ ہم دونوں ساتھیوں نے ایک ٹیکنیکل غلطی یہ کی پتلون اور قمیض پہنی ہوئی تھی۔ کسٹم آفیسر سمجھ گئے یہ کوئی بڑے سمگلر یا برنس مین لوگ ہیں۔ میرے ساتھ مکہ سے دو خواتین تھی جن کی رہبری میرے ذمہ تھی۔ ان کے بچے مکہ میں مقیم تھے۔ وہ جوں ہی ہال میں پہونچے انہوں نے سخت بیماری کا بہانہ تڑپنا شروع کیا اور بتایا ہم مجبور ہیں۔ نتیجتاً کسٹم آفیسر نے مجھے بلا کر کہا ان کو فی الفور باہر لے جاؤ۔ میں نے

ان کا سامان ٹرالی پر رکھا اور باہر چھوڑ کر آیا۔ میری شرافت میں نے اپنا سامان اُن کے ساتھ نہ رکھا۔ واپس آیا تو کسٹم افسر صاحب نے بولی دینی شروع کی۔ دس ہزار روپے مانگنا شروع کیا۔

دو تین گھنٹے اسی تذبذب میں گذرے۔ کسٹم والی کوئی چیز نہ تھی لیکن میں بڑا مجبور ہوا۔ آخر پندرہ سو روپے مانگے میں نے دیئے۔ سامان پیک کیا۔ اس نے مجھے رسید دی جب کہ کوئی سامان قابل عذر نہ تھا۔ صرف کپڑے یا تحفتاً کوئی چیز تھی لیکن انجان تھا مجبوری میں دینا پڑا۔ رسید لے کر ایک گیٹ سے نکال، دوسرے گیٹ پر سی آئی ڈی والے تھے۔ انہوں نے رسید دیکھی جو صرف پانچ سو کی کٹی ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھے دوبارہ روک دیا اتنے میں وہ پیچھے سے دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے گیٹ والوں کو کہا اس کو جانے دو۔ یہ ہندوستانی تہذیب کی نشانی ہے پہلے تو کسٹم کی کوئی چیز نہ تھی پھر اس نے کتنا بڑا ڈراما کیا۔ ہمارا ہندوستانی کردار کب بدلے گا۔ یہاں پر چپراسی سے لے کر وزیر اعظم تک تقریباً ۹۵ فیصد بد دیانتی، کورپٹ، دھوکہ باز، مکار اور فریبی کے ہی کام کرتے ہیں۔ کیا ایسا نظام چلے گا۔ ایک دن یہ تمام تباہ ہو جائے گا اور ملک کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ ہر آدمی اپنے آپ کو بنانے میں لگا ہوا ہے۔ وہ حق ناحق حرام کی کمائی کر کے ملک کو بدنام و تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

کہاں عرب کا کردار، اخلاص، ایمانداری، سچائی، وعدے کے پکے انسانی مساوات لوگوں کی مال جان کی حفاظت کرنے والے دیندار، با کردار لوگوں کی دوکانیں رات کو کھلی رہتی ہیں۔ جس میں عربوں روپیہ کا سامان ہوتا ہے۔ صرف کپڑے سے لپیٹ دیا جاتا ہے۔ کسی کے پیسے گم ہو جائے اس کو منادی دے کر واپس کیا جاتا ہے۔ کسی سے دھوکہ یا فریب نہیں جوں توں اس

مصیبت سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ گیٹ سے باہر آیا، باقی ساتھی انتظار میں تھے۔ یہاں سے پرانی دہلی ایک گھنٹہ کے بعد پہونچ گئے۔ ہوٹل میں قیام کیا بعد غسل کھانا کھایا۔ شام کو گاڑی بس سے جموں کی طرف روانہ ہوئے۔ میں دیکھ رہا تھا ہندوستان میں غالباً نوے فیصد جھوٹ، دھوکہ دہی اور رشوت سے ہی کام چلتے ہیں۔ دہلی پالم ائیر پورٹ پر ہی میری ایمانی کیفیت ہچکولے کھا رہی تھی۔ جھوٹ، دھوکہ دہی، بے ایمانی ہماری میراث بن چکی ہے۔ ہر ہندوستانی اس خمیر وضمیر کا عادی بن چکا ہے۔ اسی لیے ہمیں سوچنا ہے یہاں کی تعمیر وترقی، نظم ونسخ، قواعد وقانون، سڑکوں اور دیگر جگہوں کی خستہ حالی لوگوں میں بے ضمیری، بے اصولی، جھوٹ، مکر اور فریبی کا جب عربوں سے موازنہ کیا جائے تو ایسا لگتا ہے ہم آنے والے دو سو سال تک ان کے معیار پر نہیں اُتر سکتے ہیں۔

تہذیب وتمدن کے لیے صدیاں درکار ترقی کے لیے بھی ایک مدت کی ضرورت ہے۔ ہندوستان کے سیاست دانوں، بیروکریٹ، تاجر پیشہ اور ذی حس قوم کو اس پر دھیان دینا چاہیے۔ ہم دنیا کے باقی ملکوں کا مقابلہ کب کر سکیں گے۔ اس سے ہمارے قومی وملکی وقار کو ٹھیس لگتی ہے۔ جب دنیا کے باقی ملک اتنے کم عرصے میں اپنی شناخت کروا سکتے ہیں۔ تو ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش کیوں نہیں یہ میرا سوالیہ نشان ہندوستانی قوم کے لیے خصوصی ہے۔ مسلسل سفر تھا، گاڑی اپنی رفتار سے چل رہی تھی۔ یہ بھی فکر تھی، پتہ نہیں کون سا بھیڑیا طاق میں ہوگا۔ اس طرح ہم صبح پانچ بجے مادھو پور پل پر پہنچے۔ سی آر پی ایف جوانوں نے گاڑی روک کر پھر سے سامان کی تلاشی شروع کرنے لگے۔ اتنے میں جے کے اے پی کے چند نوجوان آ گئے۔

میں نے جٹ سے ایک نوجوان کو کہا جو ڈوڈہ کا رہنے والا تھا۔ اس کو کہا ہم حاجی صاحبان ہیں۔ میں نے تحفہ زم زم اور دو کھجور اس کو پیش کیے، اس نے ان جوانوں کو کہا یہ حجاج کرام ہیں، انکے ساتھ مت چھیڑو۔ اس وجہ سے ہماری خلاصی ہوئی۔ گاڑی اپنی ہی انداز سے چل رہی تھی۔ جو دن بارہ بجے جموں پہونچی۔ اگلی گاڑی نکل چکی تھی۔ اس لیے جموں ہوٹل میں ٹھہرنا پڑا، وہاں بھی کچھ لوگ آتے رہے کہ شاید ان سے کچھ ملے۔ لیکن ہم بھی مانتے کہاں تھے جوں توں رات گذاری۔ دوسری صبح آٹھ بجے وہاں سے راجوری کا رخ کیا۔

۲۳ ستمبر لگ بھگ ڈھائی مہینے کے بعد ہم معصوم چہروں والے دو جوان ایک بہت بڑا فریضہ حج ادا کر کے تین بجے کے قریب برلب سڑک اپنے مادر علمی و عملی گاؤں سرزمین بہروٹ میں گاڑی سے اتر گئے۔ یہاں چند رشتے دار تھے۔ ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد بہت سے لوگوں کے ساتھ گھر چار بجے کے قریب پہونچ ہی گئے۔ اس طرح روحانی زندگی کا آخری دن اللہ کے کعبہ اور مسجد نبوی پر مرکوز آنکھیں ندامت سے اشکبار، شرمسار، آنکھیں آج بھی بہروٹ کی اس وادی کو دیکھ رہی ہیں۔ جو چاروں طرف سے سرسبز وشاداب ہے اور پچھلے پچیس برسوں سے جہاں زندگی کی سانسیں لے رہا تھا۔ میرے گھر والے دریا کے کنارے والدہ والہانہ محبت اور عقیدت سے مجھے دونوں ہاتھ سے استقبال کر رہی تھی اور خوب چوم رہی تھی۔ جیسے برسوں سے میں بچھڑا کہ کہیں دور چلا گیا تھا۔ جوں توں گھر پہونچ گیا۔ میری زندگی کا روحانی باب بند ہوا جو پچھلے ڈھائی ماہ سے کھلا تھا۔ جہاں صرف کعبہ کو دیکھنے سے بھی رحمتوں کے دریا میں ہم غوطے کھاتے تھے۔

جہاں مسجد نبوی کے میناروں اور گنبد خضریٰ سے ٹھکراتی ہوئی ہوائیں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جھالیوں سے رحمتوں کی بارش میں تر ہو کر پھر ساری دنیا میں پھیلتی ہے۔

اللہ ہر مسلمان کو حج کی فضیلت کو سمجھنے اور اس پر برقرار رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

رحمتوں کے سفر

(حصۂ دوم)

دل میں خیال بار بار انگڑیاں لیتا رہا۔ اور کہہ رہا تھا کاش بیت اللہ کی زیارت پھر نصیب ہو جائے۔ تو خوش نصیبی ہے تاکہ زنگ آلودہ دل و دماغ کو پھر سے دھویا جائے۔ گناہوں سے داغدار دامن کے اوپر سے میل کچیل کا بوجھ ہلکا ہو۔ تاکہ میں زم زم کے پانی، کعبہ کے طواف، حجرِ اسود کے بوسے، صفا مروا کی سعی، منیٰ میں قیام، عرفات میں حاضری اور حج مزدلفہ کی پر رونق رات، شیطان کی کنکریاں اور اسماعیل کی قربانی پھر روضہ رسول پر حاضری، ریاض الجنۃ میں کچھ نوافل ادا کرسکوں۔ زندگی کا لطف اسی میں ہے۔ من میں یہی تمنا اور شوق گزرے پندرہ سالوں سے چلا آ رہا تھا۔ گاہے گاہے اچھے خوابوں کی تعبیر ہوتی رہی، جواب ہونا مطلوب تھا۔ اسی بہانے دہلی جانے کا موقع ملا۔ ایک دوست سے ذکر کیا مجھے حج کا ویزا لگا دیجئے۔ پاسپورٹ میرے پاس تھا۔ اس نے ایجنٹ کے حوالے کیا۔ میں گھر چلا آیا۔ ۵ مارچ کو فون آ گیا، حج کا ویزا لگ چکا ہے۔ ۱۰ مارچ ۲۰۰۰ء کو فلائٹ ہے۔ میں ۸ مارچ کو مختصر سی تیاری کر کے گھر سے اچانک نکل ہی گیا۔ ہمارے ہاں کی رسم ہے لوگ بہت دنوں قبل ملنے آتے ہیں۔ دعوتوں کا اہتمام، دعاؤں کی سفارش، ملاقات کے دور اور حاجی کے نکلنے سے قبل دو روز تک میلہ لگ جاتا ہے۔ پھر روانگی کے دن ایک دو سو کے قریب لوگ گھر سے سڑک پھر راجوری تک بڑی شان و شوکت

سے جیسے ایک دولہا میاں کو سنوارا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وی ڈی او کیمرہ جیسی برائی بڑی شان سے حاجی صاحبان عمرہ یا حج پر تیار کرواتے ہیں۔ بڑے کم لوگ ہیں جو اس سفر کی عظمت کو جانتے ہیں۔ اخلاص، دردمندی، پاکیزگی اور روحانی زندگی شروع ہوتی ہے۔ مجھے دوسری دفعہ یہ سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ میں نے کسی کو خبر تک نہ دی۔ اُس دن چپکے سے سفر پر نکل جاتا رہا۔ اللہ کو کون سا عمل پسند ہے وہ ہمیں اُس پر چلنے کی توفیق دے۔ یہ پرانے وقتوں میں تھا، لوگ پیدل چل کر حج کرتے تھے۔ اس میں دو تین سال لگ جاتے تھے اور اُمید بھی نہ رہتی تھی۔ پتہ نہیں کون سے ملک کی مٹی اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔ لیکن تب لاکھوں میں سے ایک سفرِ محمود پر جاتا تھا۔ اس کے بعد سمندری جہاز چلنے لگے۔ تین چار ماہ اس میں لگ جاتے تھے۔ اور اس میں یہ خوف بپا رہتا تھا کہ پتہ نہیں کون سی طوفانی لہر حاجی صاحب کا انتظار کر رہی ہوگی۔ موجودہ دور میں جب حاجی گھر سے نکلتا ہے تو اس کے لیے صرف تیس پینتیس دن جدائی کے ہوتے ہیں۔ کچھ تو جدائی بالکل برداشت نہیں کرتے۔ وہ اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔ کچھ حجاج صرف حج کے دس دنوں کے لیے جاتے ہیں وہ اپنے کاروبار اور گھریلو زندگی میں اس قدر الجھے ہوتے ہیں۔

ان کے پاس پاک دھرتی میں وقت گذارنے کے لیے نہیں ہوتا ہے۔ وہ حج سے قبل دو روز آخری فلائٹ پر جاتے ہیں اور حج کے بعد پہلی والی فلائٹ میں واپس چلے آتے ہیں۔ وہ روضہ رسول پر حاضری دینا بھی گوارا نہیں کرتے ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جو وہاں رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور وہاں کی گداگری میں زندگی گذارنا چاہتے ہیں۔ میرا سفر ہمیشہ خاموشی سے ہی ہوتا

ہے۔ اگر چہ کہیں بھی جاؤں، بار ہا ہندوستان کے سفروں میں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ اس لیے بھی نہیں کہ میں کنجوس ہوں۔ میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ غرض مند، مفلوک الحال کی خدمت میں ہی زندگی کا آخری سانس کٹے میں اپنے گھر میں جتنی خدمت مہمان یا مسافر کی مجھ سے ہوتی ہے۔ میں کرتا رہتا ہوں۔ اگر چہ میری والدہ کی وفات اور ہمشیرہ کی شادی کے بعد میں بے گھر ہو گیا ہوں، چھوٹے بھائی کے کنبہ کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوں۔ میں اپنے گھر کو آباد نہ کر سکا۔ یہ کون سی مشیت ایزدی ہے جھے معلوم نہیں میں بلا وجہ سوچتا رہتا ہوں۔

مجھے الوداع کرنے والوں میں دس پندرہ افراد تھے جن کو میں نے پانی کے چشمے اور پھر دریا سے سب کو واپس کر دیا۔ غالباً دو تین میرے ساتھ سڑک تک تھے۔ میں نے سرسید سکول میں حاضری دی۔ ایک گھنٹہ کے قریب لگا۔ بچوں اور اُستانیوں سے دعا کے لیے کہا۔ دو منٹ بات کی۔ پھر میں وہاں سے نکل دیا۔ میری زندگی کا شوق عقیدت مقصد، اس بحر بیکراں کی طرح، کسی انسان بشر کو کنارے پر لگانا اور س کو دنیاوی اور اُخروی علوم سے فیضیاب ہونے کا مقصد ہے۔ میری زندگی کے قیمتی دن اور گھڑیاں صرف اسی شغل میں صرف ہوئی۔ مجھے لوگوں سے کوئی گِلہ نہیں، کیونکہ لوگ علم کی دنیا میں جہالت کا لباس اوڑھے ہوئے ہزاروں سال اور بھی پسماندگی میں گذاریں گے۔ میں کوئی عالم، عابد، متقی یا ماہر تعلیم ہونے کا دعویٰ نہ کرتا ہوں، نہ تھا ایک ان پڑھ سمجھو اور پسماندگی والے علاقے اور خاندان سے تعلق رکھتا ہوں لیکن علم میرا شوق، خدمت خلق ایک جذبہ ہے جس کی وجہ سے میں نے ایک سکول کی بنیاد کے جی سے شروع کر کے دس سال کے اندر اس

سکول کو گورنمنٹ کی منظوری سے دسویں جماعت تک پہونچایا۔ اور پھر اس کے نتائج ضلع بھر کے سرکاری اور غیر سرکاری سکولوں میں امتیازی حیثیت حاصل کی۔ اگرچہ عام لوگوں اور پڑھے لکھے طبقے نے میری سرپرستی نہ کی جو اُن سے توقعات نہ تھی۔ بلکہ مسلم برادریوں نے بڑھ چڑھ کر مخالفت اور دشمنی کا طوفان لاکھڑا کیا، جس کی توقعات نہ تھی۔ میں نے ذاتی سرمایہ لگا کر سکول کا ڈھانچہ کھڑا کیا جس میں زمین کا ایک قطعہ، پھر اس پر عمارت تعمیر کی۔ یہ صرف میرا شوق تھا نہ کہ کسی پر کوئی اِحسان۔ البتہ صدقہ جاریہ کی اُمید۔

سکول سے نکل کر گاڑی پکڑی، بہت بھیڑ تھی۔ میرا قریبی رشتے دار جس کے پاس اپنی گاڑی تھی اس نے گوارا نہ کیا کہ اس کو راجوری چھوڑ کر آؤں۔ گاڑی میں تھنہ منڈی کی گنائی کنبہ کی ایک لڑکی نے پچاس روپے دیے جو کہ خانہ کعبہ کے کبوتروں کو چوک دانے ڈالا جائے۔ بہروٹ سے راجوری اسی حالت میں کھڑے کھڑے پہونچ گیا۔ راجوری سے جموں کی گاڑی لگی ہوئی تھی۔ میں جھٹ سے بیٹھ گیا۔ بہروٹ سے راجوری تا جموں ان گلی کوچوں پہاڑیاں وادیاں، جنہوں نے مجھے چالیس سالوں سے پناہ دے رکھی تھی۔ اور میں ان کی گود میں پلا۔ جوان ہوا گھوما پھرا، اور زندگی کے مزے لوٹ رہا تھا۔ یہ تمام میری آنکھوں سے دھیرے دھیرے اوجھل ہوتے جا رہے تھے۔ مجھے ان کا بھی کوئی اتنا اثر نہ ہوا۔ اگرچہ لوگوں اور رشتے داروں سے میرا دل سیر ہو چکا تھا لیکن قدرت کی اس بے پناہ دولت سے تو مجھے کوئی تکلیف نہ ہوئی تھی۔ میں جوں توں شام چھ بجے جموں پہونچ ہی گیا۔ وہاں سے جامع مسجد میں قضا نمازیں اور مغرب ادا کیے۔ ایک عطر کا ڈبہ بھی خرید لیا۔ آٹھ بجے دہلی کوچ میں بیٹھ گیا۔ اب دھیرے دھیرے میرا مادرِ وطن مجھ سے ایک ماہ کے

لیے اگر بچ گیا ورنہ ہمیشہ کے لیے اگر مر چکا تو جُدا ہوا اور اوجھل ہو رہا تھا۔ ان گھاٹیوں، جھاڑیوں اور وادیوں کا دیدار نصیب ہوگا۔ اپنے وطن کی قدر ہمیشہ باہر کے ملکوں کا سفر کر کے ہوتی ہے۔ اگرچہ میں مقدس سرزمین حجاز میں ہی جارہا تھا جو اللہ کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ گاڑی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ میں سوچوں، خیالوں، خوابوں میں گم سا۔ اگلی منزل کی تلاش میں سرگردان، ہوا کے تیند و تیز جھونکے، سفر کی تھکان یہ پانچ سو کلومیٹر کا سفر گاڑی میں مسافر کی حالت کو بیماری کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے۔ گرمیوں میں سیٹ کی گرمی اور ہوا کی کمی، سردیوں میں تیز ہوائیں اور سیٹوں پر بیٹھ کر سکڑ جانا۔ یہ دونوں علامتیں انسان کی زندگی کے لیے خطرے سے خالی نہیں ہیں۔ جوں توں صبح ۸ بجے ہم دہلی لال قلعہ بس اڈہ پر پہونچ ہی گیا۔

لال قلعہ ایک تاریخی مقام ہے جو مغلیہ دور کے فنِ ثقافت کے علاوہ ہندوستان کی یکجہتی کی علامت بھی ہے۔ کوئی بھی باہر سے آنے والوں کے لیے یہی اڈہ ہے تاکہ سیاح پہلے اس سنگ سیاہ اور جامع مسجد کا بغور جائزہ لے سکیں۔ یہ دن ہے مغلیہ قوم کی پانچ سو سالہ حکومت کی۔ مغلیہ حکومت نے فن تعمیر میں جو جوہر دکھائے وہ کوئی بھی قوم یا حکومت قیامت تک نہیں دکھا سکتے ہیں۔ کاش مغل شہنشاہوں نے فن تعمیر کے ساتھ دین و دنیاوی علوم پر توجہ دی ہوتی تو آج دنیا کے مسلمانوں کا مقام کچھ اور ہی ہوتا خصوصاً ایشیا کے ممالک کے لوگوں کا علمی دنیا میں ترقی کر کے آج یہ آسمان کی بلندیوں کو چھوتے۔

میں نے رکشا لیا، اور ہوٹل میں پہونچا۔ غسل و نہانے کے بعد میں ایجنٹ صاحب کے پاس گیا۔ ٹکٹ اور پاسپورٹ حاصل کیا۔ ۱۹۸۵ء میں مجھے کل تیرہ ہزار روپے ٹکٹ معلم حج و عمرہ پر خرچ ہوا تھا جب کہ آج چالیس ہزار دے

کر بھی اُس کا احسان۔ اس میں کوئی اور خاص رعایت بھی نہ تھی آنے جانے کا ٹکٹ معلم فیس وغیرہ۔ یہ حاصل کرنے کے بعد مجھے ایک سرکاری کام کے لیے منسٹری آف انسانی وسائل کے ایک دفتر میں جانا تھا۔ جہاں پر مجھے ریاستی سرکار محکمہ تعلیم کے کچھ کاغذ جمع کرنے تھے۔ میں جلدی میں گیا۔ گیٹ پاس بھی صبح کوئی نہیں دیتا ہے، اس لیے اس کو حاصل نہ کر سکا۔ نتیجتاً سیکشن میں چلا گیا۔ ایک ڈِیکس آفیسر عورت سے الجھ گیا۔ اس نے کہا اب یہ سیکشن یہاں نہیں ہے۔ یہ پندرہ کلومیٹر دور تھی۔ میں نے معذرت ظاہر کی۔ میں وہاں پہنچ نہیں سکتا ہوں۔ اس نے کہا ہم لیں گے نہیں۔ عورت نے مجھے گیٹ پاس مانگا۔ جو میرے پاس نہ تھا۔ اُس نے فی الفور پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس کو میں نے تمام واقعہ سنایا۔

اب وہ کاغذات بھی لے چکی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا۔ اس عورت نے بلاوجہ مجھ پر ظلم کیا۔ اس کے اس رویے سے انگریز کی بو آتی تھی۔ اُس کا طور طریقہ بربریت، ظلم سے پتہ چلا کہ وہ کسی مسلمان کو برداشت نہیں کرتی تھی۔ پھر اس کو عربی، فارسی سیکشن میں لگایا تاکہ اس کی ترقی کرے۔ یہ بڑا المیہ ہے ہندوستان اپنے آپ کو سیکولر اور انسانی ہمدردی اور باہر کے ملکوں میں ثابت کرتا ہے جب کہ میں نے سینٹرل سیکرٹریٹ کے تمام دفاتر چھانٹ مارے۔ میں دیکھتا رہتا تھا مسلمان نام کا کوئی بھی آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ محکمہ تعلیم ہیلتھ، سماجیات، یوتھ ویلفیئر اور بہت سے منسٹری میں دیکھا۔ بڑی مشکل سے ایک فیصد مجھے ایک بھی کوئی مسلمان نہ ملا۔ جب کہ ۲۰ فیصد مسلمان ہر جگہ ہر محکمہ میں ہونے چاہیے۔ یہ عورت اگرچہ گریڈ میں مجھ سے چھوٹی لیکن حکومت اس کے ہاتھ میں تھی۔ یہاں سے مجھے محسوس ہوا کہ ہندوستانی جمہوریت اور

سیکولرازم صرف بیرونی جھنڈے ہیں اور کچھ نہیں۔ میرے ساتھ اس محترمہ نے صرف مسلمان ہونے کے ناطے یہ طریقہ کار کیا۔ اب وہ کاغذات لے چکی تھی۔ میں جلدی سے واپس کمرے میں پہونچا، کھانا کھایا۔ کچھ ضروری اشیاء احرام کی چادریں خرید کی۔ اب ایک اور ساتھی ملا۔ ہم دونوں نے ٹیکسی لی۔ اس نے ایک گھنٹہ کے بعد اندرا گاندھی ایئرپورٹ پر پہونچا دیا۔ اس وقت ۲ بج چکے تھے، ہم نے گیٹ پاس حاصل کیا اور ائیرپورٹ کے اندر داخل ہو گئے۔ اندر ہمارے پڑوسی پونچھ ضلع ہاڑی موڑٹ سرن کوٹ کے پچاسی کے قریب چوہدری صاحب موجود تھے۔ جو فریضہ حج ادا کرنے ہر سال جاتے ہیں۔ اللہ ان کو ضرور بلاتا ہے۔ لیکن ان پر تاسف آتا ہے کہ یہ لوگ کس طرح سے اس مقدس فریضے کو بدنام کرتے ہیں۔

بھیک مانگنا، دھوکہ دینا، چوری کرنا ان کا مشغلہ بن گیا ہے۔ ہر سال دو چار ہزار لوگ جاتے ہیں یہاں تک ٹکٹ کا پیسہ سود پر حاصل کرتے ہیں۔ واپسی پر ان کے پاس لاکھوں روپے ہوتے ہیں، کبھی کبھار سعودی گورنمنٹ ان کو جدہ ہی سے جیلوں میں بھر دیتی ہے اور حج کی سعادت بھی نصیب نہیں ہوتی ہے اور کچھ لوگ وہاں ہی پہاڑی اور دور دراز علاقوں میں بھاگ جاتے ہیں اور واپس ہی نہیں آتے۔ پیشہ ورانہ لوگ صرف اس لیے ہر سال جاتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھ ان دونوں برائیوں سے رنگتے ہیں، پھر واپس آتے ہیں۔ اس طرح سے ملک اور بستیاں بدنام ہوتی ہیں۔ جس وقت ملک کی بات ہو تو کتنا غریب نادار اور بے کار ملک کیوں نہ ہو، وہ اپنے ملک بستی پر بدنما داغ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اور اس صورت میں وہ اپنی جان کی بازی بھی لگانا پسند کرتا ہے۔ حدیث نبوی ہے جو آدمی صحت مند ہو، خود کما سکتا ہو، اگر وہ بھیک مانگے گا

تو قیامت کے دن اس کے جسم پر کوئی بھی گوشت نہیں ہوگا۔ اور چوری کرنے کے لیے تو اللہ کسی کو معاف نہیں کرتا۔ یہاں تک وہ واپس نہیں کرے گا، شہداء کے لیے بھی جنت تب واجب ہوجاتی ہے جب اس کے ذمہ کسی کا حق نہ ہو۔ باقی لوگوں کا تو سوال ہی نہیں۔ اسی لیے چوری اور حق تلفی کے لیے سخت ممانیت ہے۔ جس کی چوری کی ہو وہ بخش دے، ورنہ قیامت کے دن یہ حق امانت ادا کرنی ہوگی، پھر جنت اس کو ملے گی وہ کتنا متقی کیوں نہ ہو۔

ملکی رشتہ ایسا ہوتا ہے جہاں مذہب، ملت، خون اور رشتہ کی کوئی قید نہیں رہتی۔ عرب جیسی پاک سرزمین ہوکر بھی ہم جب وہاں پہونچتے ہیں تو اپنے ملک وطن، گھر کی یاد اکثر و بیشتر ستاتی رہتی ہے۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے ملک کا کوئی بھی فرد غیر ملک میں کیوں نہ ہو۔ اُس سے ملکی رشتہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ عرب جیسی مقدس سرزمین ہوکر بھی ہم لوگوں کو اپنے ملک کے اُن پہاڑوں، جنگلوں، بیابانوں، صحراؤں سے جو خوشیوں کا تحفہ ملتا ہے وہ کسی سے نہیں ملتا۔

میری ٹکٹ پی آئی اے پاکستان ایئر لائنز سے تھی۔ مجھے اسی بہانے ملک پاکستان کی ہوا کھانے کو ملی۔ زندگی کی اکثر تڑپ تھی کہ میں ملک پاکستان کو دیکھوں اور مزار اقبالؒ پر حاضری دوں اور میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ملک پاکستان کا تصور کیوں دیا گیا۔ کیا اس کے پیچھے کوئی متقی روح کارفرما تھی۔ وہ تب ہی ہوتا جب اُن لوگوں کے بیچ میں جا کر ان کی تہذیب، کلچر اور سماج کو دیکھ پاتا۔ لیکن کبھی ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ ملکی حالات بھی ناسازگار نہ ہونے کی بناء پر کوئی صورت ابھی تک نہ بن پائی۔ میں نے اپنے سامان کا وزن کروایا۔ چٹ لگادی اور اس کو کمپیوٹر میں ڈال دیا۔ پھر اسی پھٹے پر چڑھا دیا۔ جہاں سے

اس کو جہاز میں جانا تھا۔ میں اور ایک مولانا جو ایک مدرسے کے بانی بڑے عالم دین اور پیر طریقت بھی۔ غالباً یو پی لکھنو کی طرف کے تھے۔ ہم وی آئی پی روم میں بیٹھے۔ جہاز کا انتظار ہو رہا تھا تین بجے سے قبل اطلاع مل چکی تھی کہ ہمارا جہاز لگ چکا ہے۔ ہمیں ٹکٹ و سیٹ نمبر بھی مل چکا تھا۔ اتنے میں اطلاع آئی کہ زائرین اپنے جہاز میں داخل ہو سکتے ہیں، مسافر دوڑ پڑے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہر ایک اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے دوڑ رہا ہے اور کوئی پرسان حال نہیں۔ میں اسی تذبذب میں کھڑا ہوا، مولانا کو ساتھ اٹھایا اور چل دیئے۔ مولانا کو ایک مددگار بھی ساتھ تھا جو کوئی مدرس لگتا تھا۔ میں اور مولانا آخر میں داخل ہو رہے تھے۔ آگے گیلری میں ایک ہوسٹس اور نوجوان خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کر رہے تھے۔ میں پندرہ سال قبل کے لمحے بول چکا تھا۔ جہاز میں داخل ہو ہی گئے۔ میری پہلی رو میں ۲۷ نمبر سیٹ تھی۔ مولانا مجھ سے آگے بیٹھ گئے۔ میرے ہاتھ میں قلم اور ڈائری تھی۔ میں نے جہاز کے اندر طائرانہ نگاہ ڈالی، جہاز کا نظام کتنا سخت ہوتا ہے، اتنا بڑا مکان جس میں پانچ سو مسافر ہوتے ہیں اور یہ ہوا میں اُڑتا ہے۔ میں نے جہاز کا اندر کا نقشہ قلمبند کرنا شروع کیا۔ ہمارا جہاز جس میں ۲۵۰ سواریاں عملہ جدید آلات سے لیس تھا۔

جہاز ایک دلکش گھر ہوتا ہے۔ یہ صرف دھات، لوہے اور پلاسٹک کی پیداوار ہے۔ ہمارے جہاز میں تین نشستیں تھیں۔ ایک نشست میں ۳ سیٹیں لگی ہوئی تھی، درمیان میں اس جہاز کے تین بڑے ستون تھے۔ درمیان میں وی سی آر لگا ہوا تھا جس میں بین الاقوامی پروگرام دکھائی دیتے ہیں۔ ہماری سیٹ کے آگے ایک چھوٹا سا ٹی وی لگا ہوا تھا جو ہمیں ہر وقت کی خبر دیتا

ہے جہاز کہاں پر پہونچ گیا۔ کس رفتار سے جا رہا ہے۔ جہاز کے تمام نشیب و فراز اس میں عیاں ہوتے ہیں۔ اپنی سیٹ سنبھالنے کے بعد میں باتھ روم کی طرف گیا، چھوٹا سا کمرہ، صابن کاغذی رومال، پانی سرد و گرم، دونوں اور تیل وغیرہ حاجت سے فارغی پر میں نے قلمِ کو جنبش دی اور لکھنا شروع کر دیا۔ اتنے میں ایک ہوسٹِس میرے قریب آ گئی اور اس نے مجھے پوچھا آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں ٹالنا چاہتا تھا لیکن اس کے اصرار پر میں نے بتایا، میں سفر کی کارکردگی کو قلمبند کرنا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے ایسے گُھور رہی تھی جیسے میں کسی قید خانے میں مقید تھا۔ میں نے جہاز کا کرایہ اور ہوسٹس کی خدمات خرید لی تھی۔ وہ مجھے روک نہ سکتی تھی۔ میں عملے کا انٹریو لینا چاہتا تھا۔ پہلے تو انکار کیا، ہمیں اجازت نہیں ہے۔ بعد میں اُسی ہوسٹِس نے کچھ معلومات اور ہمدردیاں ظاہر کی، جب میں نے اس کو جموں و کشمیر کا واسی بتلایا۔ میں نے اسلام کی روشنی میں اس کی ایسی سروس کو حرام قرار تو نہ دیا البتہ احساس دلایا یہ سروس آپ پر جائز نہیں ہے۔ اس کی مجبوریوں کی ایک لسٹ تھی جو میں بیان کرنے سے قاصر ہوں اور دو افراد بھی ملے۔ میں ان سے ہمکلام ہو ہی رہا تھا اس ہوسٹس نے کپتان جہاز کو میرے سفر اور انٹرویو کی اطلاع دی۔ اس کے کہنے کے بعد کپتان صاحب نے مجھے وی آئی پی روم میں طلب کیا۔ اور میری خوب خاطر مدارت کی۔ گروپ کپتان، نہایت ہی قابل صاحب علم، ذہین اور تاریخ کا طالب علم لگتا تھا۔ اس کی علمی بصیرت میں بیان نہیں کر سکا۔ جو کچھ میں نے اس سے پایا۔ البتہ مسلم نواز بہت سخت تھا۔ اس کی علمی گفتگو سے ایسا لگا۔ اس کو تاریخ، سیاست اور معاشیات پر کتنی گہری نگاہ تھی۔ پاکستان کا بڑے سے بڑا سیاست دان، ماہر معاشیات بھی وہ نہیں جانتا تھا جو ایک جہاز کا ملازم کہہ رہا

تھا۔ میں حیران تھا اس کو کسی یونیورسٹی کالج یا بین الاقوامی ادارے میں ہونا چاہیے تھے جہاں سے وہ نسل انسانی کی تکمیل میں اپنا حصہ ادا کرتا اور قومی خدمت کو پروان چڑھتا۔ میں اس کے ذہنی قوت پر حیران تھا جب اُس نے ہندوستان اور کشمیر کے متعلق باب کھول دیا۔ میرے پاس کوئی جواب نہ تھا جو اس کو مطمئن کرتا۔ اگرچہ میں بھی پڈی، کیا پدی کا شوربا ہوں۔ تاریخ حریت کشمیر، تاریخ فرشتہ، تاریخ الاسلام میری نظر سے ضرور گذری تھی لیکن میں اس کے جذبہ ایمان، علمی بصیرت، وقت شناسی کے سامنے ایسا تھا جیسا ''بے علم ناتواں خداراہ شناخت''۔ مطالعہ کرتا ہوں یاداشت ساتھ نہیں رہتی۔

میرے اور کپتان صاحب کے درمیان کافی بحث طلب سوالات کشمیر کے متعلق آئے جن کا علم مجھے کچھ نہ تھا، میں گھر میں مقیم ہوں مجھے اس گھر کے متعلق کوئی خبر نہیں۔ اور میرے گھر کی داستان ایک غیر ملکی جو ہزاروں میل دور ہے سنا رہا ہے۔ کیا یہ آئی ایس آئی ہے یا کوئی اور ایجنسی۔ ملکی جذبہ، قومی خدمت، مہمان نوازی میں پاکستان ہم سے ایک قدم آگے ہیں۔ گفتگو کے دوران تکرار ہوئی تو جہاز کے مسافر بڑی توجہ سے ہماری طرف کان لگا دیتے، مجھے سفر کی وہ گھڑی زندگی میں کبھی نہ ملے گی جو اس محترم کپتان سے مجھے مل بیٹھ کر سننے اور سنانے کا ملا۔ میری ڈائری پر لمبا چوڑا انٹرویو تھا۔ ہوسٹس، کپتان اور نائب کپتان اور حالات کا جائزہ بھی تھا۔ جدہ ائیرپورٹ سے نکلتے ہی میرا سامان کسی مہربان کے ہاتھ چڑھ گیا، جس میں ڈائری بھی تھی جس پر کپتان صاحب نے اپنے ہاتھوں سے میرے لیے کچھ الفاظ قلمبند کر کے ایڈرس دیا تھا۔ کبھی پاکستان آنے پر مجھے ضرور ملاقات دیں۔

ہم پونے دو گھنٹے کی مسافت کے بعد کراچی ائیرپورٹ پر پہونچ ہی

گئے۔ کراچی بھی دلکش خوبصورت لمبا چوڑا شہر ہے۔ اوپر سے ہی طائرانہ نگاہ ڈالی۔ دہلی اور بمبئی کی طرح بہت بڑے علاقے پر پھیلا ہوا ہے۔ بجلی کی چمک میں شہروں کی رونق اس کے لیے رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ ورنہ دا یران، کھنڈر اور جلے ہوئے پہاڑ کی مانند دکھائی دیتے ہیں۔ اس سفر میں ہمیں ٹافیاں، چائے اور کچھ مشروبات دی گئی۔ چند منٹوں میں جہاز اترنے والا تھا۔ مسافروں کو بیلٹ باندھنے کا حکم مل چکا تھا اور سارے تیاری میں مصروف اپنا سامان تھامے ہوئے باہر آنے کے لیے تیار تھے۔ جہاز زمین پر اُتر گیا۔ مسافروں کو باہر آنے کا حکم مل چکا تھا اور دھیرے دھیرے تمام باہر آرہے تھے۔ ہوسٹس الوداعی سلام کہہ رہی تھی۔ میں نے دو ہوسٹس سے وعدہ لیا تھا۔ اسلام نے ایسی سروس کو حرام قرار دیا ہے اور پھر عورت کی کمائی بالکل حرام ہے۔ انہوں نے ماڈرن وقت کی مجبوریاں ظاہر کی۔ میں نے پھر سے کہا اللہ کے ہاں یہ باتیں تو نہیں چلیں گی۔ وہاں تو حکم خداوندی اور رسول کی سنت چلے گی جس پر وہ خاموش یخ بستہ سیل بن چکی تھیں۔ وہی ہوسٹس جو چند منٹ قبل ہنس ہنسا رہی تھی خوش کر رہی تھی۔ اب وہ خاموش پتھر کی سیل تھی۔ پھر بھی میں نے سلام کیا اور اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ اب ہم جہاز سے باہر آچکے تھے میں سرزمین پاکستان میں تھا اور میں اپنے قدم ایسا اٹھا رہا تھا۔ یہ وہی پاکستان ہے جو اقبال کے خوابوں جناح کی کاوشوں اور لاکھوں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھلنے کے بعد بنا تھا۔ اس پاکستان کے پیچھے قوموں کی تکمیل، اسلامی اخوت، پیغمبر کے طریقے کے بعد روحانی تربیات، اللہ کی کتاب، صحابہ کی قربانیاں اور جنگ بدر کے شہداء کی داستان موجود ہے۔ جب میں نے خاک و خون، شہاب نامہ، لبیک، کچھ ناول اور تاریخ کا مطالعہ کیا، پتہ چلا پاکستان کے

بننے میں لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں کی خون کی ہولی کھیلی گئی، دریا بہائے گئے اوران نوجوان بہنوں کی عزتوں کوسر بازار نیلام کر کے عیش لٹانے کے لیے آرایس ایس کے کیمپوں میں کن کن ناپاک لوگوں کو دی گئی۔ جس میں ایک حمیدہ بیگم سے حمیدہ کور بھی بنی۔ جو اپنے حسن جمال میں لامثال تھی۔ جبراً ایک سکھ سردار سے شادی کروائی گئی اور تین بچوں کی ماں بننے کے بعد بھی وہ غیر مسلم کے ساتھ نہ رہ سکی۔ آخراس کا ٹھکانہ دیار رسول بنا، مدینہ طیبہ یعنی مسجد نبوی کی ذمہ داری سونپی گئی، اس کے علاوہ جموں شہر کے تین لاکھ مسلمانوں کو اکٹھا کیا گیا اور یہ کہہ کر آپ کو پاکستان لے چلیں گے۔ اور وہاں سے لاتعداد ٹرکوں میں بھر کر کن کن مقامات پر اُن کو قتل کر کے سندھ چناب توی کے دریاؤں کی نذر کردیا گیا۔ اور وہ تمام لاشیں پاکستان کی زمین میں پہونچ ہی گئے اور ان کی جوان سال لڑکیوں کو اُسی طرح عیش لٹانے کے لیے کیمپوں میں لے جایا گیا۔ پنجاب، دہلی، حیدرآباد، گجرات، راجستھان، مہاراشٹر اور دیگر ریاستوں سے تین لاکھ بستیاں خاکستر کردی گئیں لوگوں کو پاکستان چھوڑنے کے بہانے اکٹھا کر کے جلایا گیا، مارا گیا۔ دریاؤں اور کنوؤں میں لاشوں کو ڈالا گیا۔ یہ وہی پاکستان تھا جس کے پیچھے تاریخ کے یہ تمام اسباق موجود تھے۔ اب میرے پاؤں اُسی سرزمین پر پڑے، میں ٹہل رہا تھا۔ ایک نظر دور تک دوڑائے ہوئے ہوا کے جھونکے کھا رہا تھا۔ جس کے پیچھے تاریخ کے یہ تمام اوراق نقش تھے۔ اتنے میں ایک گاڑی کے ذریعے ہمیں ائیرپورٹ کے اندر لے جایا گیا۔ کراچی ائیرپورٹ بہت لمبا خوبصورت اور دلکش ہے اور جدید آلات سے لیس مختلف آرائش اور تجارتی منڈیوں سے بھرا ہوا یہ بھی ریاض اور جدہ کی طرح لگا۔ غالباً ہندوستان کا ائیرپورٹ شائد ہی کوئی

ایسا ہو یہاں اندرا گاندھی اور انٹرنیشنل ایئر پورٹ ضرور دیکھے ہیں۔ میں ایک کتاب کی دوکان پر گیا جہاں بال کاٹے ہوئے ایک لیڈی ملی۔ میں نے پوچھنا چاہا یہ وہی پاکستان ہے جس کا ذکر میں نے کیا۔ پھر میں نے زبان روک دی۔ شائد کوئی انگلش لیڈی نہ ہو۔ عام لوگ سلوار قمیض اور خواتین بھی کچھ ڈوپٹے اوڑھے ہوئے دکھائی دیں۔ جس سے مجھ شک ہونے لگا۔ کتابوں کی دوکان پر زیادہ انگریزی کے ماڈرن رسالے اور اخبارات تھے۔ کچھ کتابیں ضرور اردو کی تھی جن پر میری نظر ٹھہری۔ لیکن ستم ہائے ستم پاکستانی کرنسی نہ تھی۔ ہم چار گھنٹے ایئر پورٹ پر چکر لگاتے رہے، ہوا کھاتے اور ذہنی بوجھ ہلکا کرتے رہے۔ اتنے میں اعلان ہوگیا کہ ہندوستان کے مسافر احرام پہن کر تیار ہوجائیں جہاز آنے والا ہے۔ میں نے غسل کیا، اللہ کے شکر کے چند کلمات منہ پر دھرائے اور جلد ہی غسل کیا، احرام باندھ دیا اور فی الفور۔ دو نفل شکرانہ کے ادا کیے۔ اللہ کی اُس حفاظت کا ذکر بلند ہونے لگا اور ترانہ لبیک گونجنے لگیں اور اپنے گناہوں کی تلافی بارِ الہا سے مسجد کراچی ایئر پورٹ میں مانگنے لگے۔ احرام باندھ کہ بڑے عجیب لمحات ہوتے ہیں سب چیزیں حرام جو ساری زندگی حلال تھی۔ یہ حقیقت صرف اسلام کے اُن جانثاروں کے اندر ملے گی جو مکہ اور مدینہ کی حاضری کے لیے اپنی زندگی کا سرمایہ اور وقت خرچ کرتے ہیں۔ کاش اللہ نے انسان کی قسمت اور تقدیر کا فیصلہ اس کے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوتا پھر کیا مناظر ہوتے، اب میرے قدم سرزمین پاکستان سے اُکھڑ چکے تھے۔ چند لمحات کے بعد ہوا میں اُڑنا اور ملکوں کے اوپر سے نظارے کرنے زمین و آسمان کے بیچ میں کن فیکون کا انتظار کرنا تھا۔ غالباً ساڑھے چار گھنٹے کے بعد ہم کو دوسرے جہاز میں بٹھا دیا گیا۔ یہ جہاز بہت بڑا دو چھت والا تھا۔

جس میں ساڑھے پانچ سو کے قریب زائر بیٹھے تھے اور تمام کے تمام مرد وزن سفید احرام میں ملبوس زندہ جنازے لبیک کا ترانہ گاتے ہوئے تاحد نظر ذکر اللہ میں مشغول دکھائی دے رہے تھے۔ یہ جہاز نہایت ہی دلکش خوبصورت اور تمام آسائش جدید سہولیات سے لیس دکھائی دے رہا تھا۔ اتنے میں ایک ہوسٹس آئی۔ اس نے ضروری ہدایات دی اور ویلکم میں ٹافی وغیرہ تقسیم کی۔ اس کے بعد ایک موٹا سا خدمتگار آیا۔ اس نے بھی ویسا ہی کیا میری سیٹ یہاں بھی کھڑکی کے قریب تھی۔ میں جہاز کے اندر سے کراچی شہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ کراچی شہر واقعی خوبصورت دلکش اور لمبا چوڑا دکھائی دے رہا تھا۔ کاریں گاڑیاں جو سڑک پر چل رہی تھی۔ ایک موٹے چوہے کی مانند۔ سڑک ایک باریک سفید داگے کی مانند اوپر سے نظر آرہی تھی۔ میں ان تمام چیزوں کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔ اتنے میں کراچی کا شہر آہستہ آہستہ ہماری نظروں سے غائب ہوتا جارہا تھا۔ بلٹ باندھے ہوئے کھول دیئے گئے۔

اب کسی اور فضا میں گھوم رہے تھے۔ جہاز کا چھوٹا آلہ بتا رہا تھا کہ ہم پاکستان کو چھوڑ چکے ہیں اور اگلی منزل کی طرف ''تیز ترک گام زنِ منزل ما دور نیست'' والی بات تھی۔ میں نے جہاز کے عملے سے بات چیت شروع کی۔ یہ عملہ دلچسپی سے خالی تھا۔ ایک ہوسٹس سے چند سوالات کیے اور اس کے ساتھ بھی وہی کچھ تھا۔ جو دلی سے کراچی والی کے ساتھ ہوئے۔ اتنے میں چائے کا دور چلا۔ رات کافی بیت چکی تھی۔ جسم کچھ تھکن سا محسوس کر رہا تھا اور آنکھ بند ہوگئی۔ آنکھ کھلنے پر پتہ چلا ہم نے بہت سے مقام طے کر لیے ہیں۔ اتنے میں کھانا آیا۔ اتنا مزے دار نہ تھا جو جہاز میں دیا جاتا ہے۔ چاول، مرغا، پلکا اور کچھ فروٹ وغیرہ چھوٹا ٹی وی جو ہماری سیٹ کے سامنے لگا ہوا تھا۔ بتا رہا تھا

ابوظہبی، دوبئی، عرب امارت سے گذرتا ہوا۔ جہاز جارہا ہے اور چلتے چلتے ریاض جدہ ائیر پورٹ پر اپنا قبضہ جمالیا ہے۔ جدہ پہونچنے تک تمام زائر سوئے ہوئے تھے۔ اتنے میں اعلان ہوا۔ اپنے بیلٹ باندھ دیجیے، آنکھ کھلی دیکھا جدّہ کے اوپر جہاز گھوم رہا ہے۔ جہاز کو اڑتے اور اترتے ہوئے مسافروں کو حکم ہوتا ہے۔ بیلٹ باندھنے کا، تاکہ کسی ضعیف بیمار کو جھٹکا نہ لگ سکے۔ جدّہ کے چاروں طرف، روشنی کے چمکتے ہوئے شہر دکھائی دیتے ہیں۔ رات کے تین بج چکے تھے۔ آرڈر مل چکا تھا۔ زائرین اب جہاز آہستہ آہستہ خالی کریں میں جلد ہی اپنی سیٹ چھوڑ کر باہر آیا اور میں جہاز کی دوسری منزل دیکھنے کے لیے چلا گیا۔ وہ منزل بھی ایسی ہی تھی میں آگے پیچھے گھوم کر کے آخری مسافر تھا جو جہاز سے باہر آیا۔ نیچے ہمارے لیے ایک گاڑی لگ چکی تھی۔ میں نے جھٹ سے چھلانگ لگائی۔ گرمی شدت کی تھی۔ ڈرائیور ہمیں وہاں لایا جہاں ہمارا ایمگریشن وغیرہ ہونا تھا۔ اب ہم حال میں پہونچ چکے تھے۔ میں اس دھرتی پر تھا جس دھرتی کو اللہ نے پسند کیا اور ساری دنیا کی زمین کے اوپر اس زمین کو فضیلت دی جہاں آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء تشریف لائے اور پھر صحابہ کو بھی وہی زمین نصیب ہوئی۔ اللہ نے اس زمین کو ساری دنیا کا مرکز بنایا۔ جس کے اندر خانہ خدا اور مسجد نبوی انبیاء اور صحابہ کے جسم اس دھرتی میں آرام فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں ریگستانوں میں غیبی خزانہ رکھا ہوا تھا۔ جو تیل سونا چاندی اور قیمتی معدنیات کی شکل میں پوشیدہ ہے۔ جس کی وجہ سے عرب قوم دنیا کی امیر ترین قوم بن کر ابھری جب کہ ایک سو سال قبل اسی دھرتی کے لوگ مفلسی اور بے بسی کی حالت سے گذر رہے تھے۔ اب صبح ہو چکی تھی۔ تیرہ مارچ ویروار تھا۔

دو گھنٹے انتظار کرنے کے بعد ہمارا امیگریشن ہونا شروع ہوا۔ اس وقت تک ہم ہندو پاک کے لوگوں میں تھے۔ اب دنیا کے مختلف نسلیں صرف ایک رنگ میں ملبوس سفید احرام پہنے ہوئے، لبیک کا ترانہ گاتے ہوئے سارے زائرین چل رہے تھے۔ رنگ و نسل، ذات پات، عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر کوئی بھی فضیلت نہیں ہے۔ بقول اقبال:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

امیگریشن میں ایک گھنٹہ اور کسٹم میں بھی ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ میرے پاس کسٹم والی کوئی چیز نہ تھی۔ اس لیے میری نجات دس منٹوں میں ہوئی۔ باہر نکل کر معلم کے انتظار میں دو تین گھنٹے کے بعد، سبکدوشی کا حکم ملا، اب اَذان فجر ہو چکی تھی۔ میں با جماعت نماز میں شرکت کے لیے گیا اور اپنا سامان معلم کے افراد، نوکر، جو ریڑی چلا رہا تھا۔ میں نے ریڑی پر اسے رکھا، اس نے کہا کہ وہ گاڑی پر رکھے گا اور مجھے پتہ نہ تھا۔ اب یہاں چوری بھی ہوتی ہے اور دل نے گواہی نہ دی تھی کہ اب سامان مجھے نہیں ملے گا۔ میرے پونچھی بھائی جو بیس پچیس میرے ہمسفر تھے وہ اس طاق میں ہوں گے کہ کب بیگ ان کے ہاتھ چڑھ جائے گا۔

بعد نماز فجر جب میں واپس آیا، سامان کے لیے دریافت کیا۔ ایک میرے ساتھی نے کہا وہ گاڑی پر رکھ دیا ہے۔ اور ایک نے کہا ہم معلم کے لوگ ہیں۔ میں متفکر ہو کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ میرا بیگ کافی بوجھل تھا۔ اس لیے لے جانے والے کو شک ہوا۔ اس میں کافی مال و دولت ہوگی۔ ایسا نہ تھا کچھ کاغذات کپڑے، تین سوٹ، عطر کے تین چار ڈبے اور نجی ضروریات کا

ساماں تھا۔ یہ تمام پانچ چھ ہزار کا سامان تھا۔ ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد گاڑی بہ سوئے مکہ چل پڑھی۔ تمام زائرین احرام میں ملبوس لبیک کا ترانہ گا رہے تھے۔ گاڑی آواز سے گونج اٹھی۔ ائیر پورٹ سے باہر نکلتے ہی جدہ مارکیٹ سے گذر ہوا۔ جدہ دنیا کی انٹرنیشنل مارکیٹ اور شہر پندرہ بیس کلومیٹر تک عالی شان عمارتیں موجودہ دور کے نظام سے لیس مجھے کچھ ایسا لگا کہ شاید ہم مکہ مکرمہ پہونچ ہی گئے۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ ابھی جدہ ہی ختم نہیں ہوا ہے۔ منزل کی طرف رواں دواں نیند کے ہچکولے بھی کھا رہے تھے۔ اتنے میں ہم اُس مقام پر پہونچ ہی گئے جہاں پر لکھا تھا لا دخول فی الکافرۃ میں سوچ رہا تھا۔ جدہ کے اُن حسین پہاڑوں اور ریتلے میدانوں چھوٹی وادیوں سے گذرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا۔ اللہ نے اس مقدس دین کو اپنے محبوب انبیاؤں کے ذریعے ان خونخوار پہاڑوں، وادیوں، ریتلے میدانوں اور جلی ہوئی چٹانوں کے لیے پسند فرمایا۔ اور یہ تمام خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کرتی تھی۔ سفر کی منزل کھڑی تھی۔ اور دل کا درد بڑھ رہا تھا کہ کب کعبہ کو دیکھا جائے۔ اتنے میں ہماری گاڑی اُس مقام پر پہونچ ہی گئی، جہاں پر حجاج کا اندراج ہوتا ہے۔ اور زم زم تحفے میں پیش کیا جاتا ہے۔ مجھے دو بوتلیں ملیں، ایک بوتل جلدی میں ہی انڈیل دی۔ موسم کچھ ٹھنڈا تھا اور بخار کے اثرات لگ رہے تھے۔ گاڑی سے اتر کر وضو کیا۔ دو نفل مسجد میں ادا کیے۔ گاڑی میں بیٹھنے سے قبل اوپر نظر دوڑائی تو میرا سامان غائب تھا اور میں حاضر تھا۔ میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ غالباً سامان جدہ میں ہی غائب ہو چکا تھا۔ میں تھوڑا سا متفکر تھا کہ ہوسکتا ہو کہ آگے پیچھے لگا ہو گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی تیزی سے چلنے لگی۔ آنکھیں نم دیدہ نم دیدہ اور دل ترسیدہ ترسیدہ بہ سوئے منزل

گامزن تھا۔ اتنے میں ڈرائیور نے ہماری گاڑی مقدس سرزمین جہاں پر توحید کا پرچم لہرایا۔ اب میں شہر مکہ، حرم مکہ میں پہونچ چکا تھا۔ یہ وہی بے آب و گیاہ سرزمین تھی۔ جہاں پر چاروں طرف جنگل کھنڈر، پہاڑیاں اور ڈھلے کی طرح اُبھری ہوئی زمین تھی اور جہاں آج چاہ زم زم ہے۔ وہاں پر ایک درخت تھا۔ حضرت ابراہیم اپنی رفیقِ حیات حضرت ہاجرہؑ اور بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ایک توشہ دان میں کھجور اور ایک مشکیزے میں پانی جو صرف چند دن چلا اس کے بعد۔ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل تڑپتے رہے، آخر اللہ نے وہاں ہی سے چاہ زم زم پھوٹ کر نکالا۔ اللہ نے اُسی جگہ اُسی نبی سے خانہ کعبہ کی تعمیر، حضرات اسحاق کے سمیت کر دی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آدم کی توبہ جبل رحمت پر قبول ہوئی یعنی میدان عرفات میں ہوئی۔ جہاں حضرت ہاجرہ کے صفحہ مروہ کے چکر اسماعیل کی قربانی اور بہت سے انبیاء نے اپنی دعوت دین کے لیے پرچم کو بلند کیا۔ آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین ابراہمی کو مکمل کرنے کے لیے کون کون سی تکلیفیں نہ اٹھائی۔ جس سرزمین کو اللہ نے پسند کیا مرحبا اور آفرین۔ وہی سرزمین دنیا کے ایک کروڑ مسلمانوں کو ہر سال خندہ پیشانی سے بلاتی ہے۔ روحانی فیوض و برکات سے ہر آدمی کے دل کو منور کرتی اور اس طرح سے پانچواں اور آخری احکام دین مکمل ہوتا ہے۔

ہم جبل کعبہ معلم کے دفتر کے سامنے اتر گئے اور معلم سے دریافت کیا۔ سامان کے متعلق اس نے بڑا کھرا سا جواب دیا۔ سامان آپ کا پوچھتے مجھ سے ہو۔ میرے ساتھ یوپی کا ایک اور نوجوان شریک تھا جس کا سامان بھی غائب اور وہ کہہ رہا تھا میرا ۲۵ ہزار روپیہ بیگ میں تھا۔ وہ بھی گیا، چند لمحات سوچتے رہے، پھر میں نے یوپی کے ساتھی کو بتایا کہ چلو عمرہ تو کر لیں۔ ہم دونوں

وہاں سے چل دیئے، پہلے وضو بنایا اور پھر صحن حرم میں دو نفل شکرانہ کے ادا کیے
اور یہاں سے سیدھے باب سلام سے حرم شریف میں داخل ہو گئے۔ میری
نظریں نیچے تھی۔ یہاں تک کہ کعبہ کی گود میں پہونچ ہی گیا۔ اب نظریں
اٹھائیں آگے کیا تھا۔ کعبہ، خانہ خدا، رحمتوں، بخششوں اور گناہوں کے دھل
جانے کا مرکز فرشتے رحمتیں لٹا رہے تھے۔ اور عاصی و گنہگاران کو اپنے دامن
میں سمیٹ رہے تھے۔ میں بھی اس قافلہ میں شریک ہو گیا۔ خوب جی بھر کر
کعبہ کو دیکھا نگاہیں جم چکی تھی۔ خوب دعائیں کی، پچھلی دنیا بھول چکا تھا۔
میرے دل کی لذت اور دماغی کیفیت، دونوں میں سرور برپا تھا۔ میں پھر بھی
خوش نصیب تھا۔ ان ناپاک آنکھوں سے کعبہ کو جی بھر کر دیکھ رہا تھا۔ اب
میں اور یو پی کا ساتھی، دونوں طواف میں مصروف ہو گئے۔ چوتھا چکر کاٹ ہی
رہا تھا۔ اب یو پی کا ساتھی بھی ہم سے جدا ہو گیا۔ خیر جوں توں طواف مکمل
کرنے کے بعد میں نے مقام ابراہیم پر دو نفل شکرانہ ادا کیے۔ پھر سعی کرنے
کے لیے چلا گیا۔ سعی میں چوتھا چکر صفا سے مروہ کی طرف جا رہا تھا۔ اتنے
میں ایک نوجوان چاک و چوبند ملا۔ جس نے مجھے سلام کیا۔ میں پہچان نہ سکا۔
اس نے مجھے یاد دلایا کہ میں شکیل آپ کا شاگرد ہوں۔ اور شاہدرہ کا رہنے والا
ہوں۔ میری یاد تازہ ہوئی ہم گلے ملے۔ وہ میرے ساتھ ایک چکر میں شریک
رہا۔ اس نے اب فارغ ہونے کے بعد مجھے ایک مقام پر ملنے کو کہا۔ سعی سے
فارغ ہو کر بال کتروائے۔ تھکاوٹ تھی۔ ایک جگہ آ کر بیٹھ گیا جہاں سے جی
بھر کر کعبہ کو دیکھتا ہی گیا۔ میں بھول چکا تھا کسی کو ملنا ہے لیکن یہ بھی دیکھ رہا تھا
پندرہ سال قبل کا کعبہ کی بستی، مسجد حرام اور شہر مکہ ارد گرد کا تمام ماحول بدل چکا
تھا۔ یہاں پر کافی تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ تھکا ماندہ کعبہ کو بھرپور نگاہوں سے

دیکھ رہا تھا۔ کعبہ کا دیکھنا قرآن مجید کا دیکھنا اور والدین کے چہرے کو دیکھنے ہی سے ثواب ملتا ہے۔ ان تینوں کا دیکھنا کعبہ کے اوپر رحمتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ یہ سونے پہ سوہاگا کا کام کرتا ہے۔ اب میں نمازوں اور قرآن کی تعلیمات میں مصروف ہو گیا۔ شکیل کا پتہ کیا اور معلوم ہوا اس کی ڈیوٹی بدل چکی ہے۔ وہ اب کل ملے گا میں انجان تھا۔ اس لیے وضو کر کے آیا، تلاوت اور نماز میں مصروف ہو گیا۔ بعد عشاء حرم میں ہی سو گیا۔ تین چار گھنٹوں کے بعد جگہ تبدیل کرتا، کیونکہ صفائی والا عملہ پوری رات بھر حرم شریف میں مصروف رہتا ہے۔ اس لیے وہ بھی چین سے کسی کو سونے نہیں دیتے حالانکہ یہ سونے کی جگہ نہیں ہے لیکن مسافر کمرے کے بجائے یہاں رہنا پسند کرتے ہیں۔

اسی کسمپرسی میں تہجد کی اذان ہوئی۔ وضو کے بعد نماز میں مصروف اور پھر اسی طرح فجر کی نماز ادا کی۔ تلاوت سے فارغ ہو کر سورج چڑھتے تک میں حرم میں بیٹھا رہا۔ آپ سوچ رہا تھا کیا کروں، میرے پاس ہندوستانی کرنسی تھی کوئی ریال یا ڈالر نہ تھا۔ اپنے ملک کی کرنسی باہر جا کر کھوٹے سکے کی مانند ہوتی ہے۔ خیر میں نے سوچ کی، پھر شکیل کو جا کر دیکھوں، میں جوں ہی وہاں گیا شکیل صاحب موجود تھے۔ اپنی ڈیوٹی پر پہونچ چکے تھے۔ حاجی شکیل حرم میں صفائی کے عملے کے ساتھ مصروف ہے۔ جو ایک مشین چلاتا ہے۔ کتنا خوش نصیب ہے کون سا مقام ملا ہے۔ حرم کی صفائی، دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے فیضیاب ہوتا ہے۔ حرم کی صفائی آخرت کی صفائی، اللہ کے ہاں دنیا کی منزل کے ساتھ ساتھ آخرت کی منزل سب سے مشکل منزل ہے جو لمبی اور دائمی ہے۔ اہل تصوف کے ہاں مکہ اور مدینہ کے شہروں کی صفائی کرنے والے بھی جنت کے مستحق ہیں۔ کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کی صفائی کرنے والوں کو اللہ اللہ کیا

مرتبہ ہے۔ وہ بخشے بخشائے ہیں اِن اعمال کی وجہ سے۔ ہمارے ہاں مسجد یا خانقاہوں کی صفائی کرنے والوں کے مقابل کوئی دوسرا نہیں ہے۔ وہ بھی اپنا مقام ولیوں جیسا سمجھتے ہیں۔ شکیل صاحب نے معذرت چاہی اور فی الفور مجھے حرم شریف سے باہر لایا جہاں ہم نے چائے اور نان لیا۔ اس کے بعد مجھے سیدھے حاجی حنیف صاحب اور حاجی مجید صاحب کے کمرے میں لائے۔ جہاں ان کے تمام ساتھی سوئے ہوئے تھے۔، وہ کھڑے ہو کر گلے ملے جیسے صدیوں کے بچھڑے ہوں۔ اور ان کے بعد میں نے تمام ماجرا سنایا، جو مجھ پر بنی تھی۔ انہوں نے اولین فرصت میں میرے سر کے بال کٹوائے اور غسل کرنے کے لیے کہا۔ کپڑے پہننے کے لیے دیئے، آج میں نے پانچ دن کے بعد احرام اُتارا۔ اسی اثناء میں عربی ناشتہ تیار ہوا، نوش کیا۔ دو گھنٹے کے لیے سو گیا۔ ۱۲ بجے دوبارہ غسل کیا اور جمعہ نماز کے لیے تیار ہو گیا۔ حاجی حنیف مرزا اور مجید مرزا بڑے شریف نیک نیت اور بڑے محنتی لوگ ہیں۔ پچھلے پندرہ سالوں سے سرزمین حرم میں ایام زندگی بسلسلہ روزگار گزار رہے ہیں۔ اس سے بڑا مرتبہ کیا ہو سکتا ہے کہ ہر نماز ایک لاکھ نمازوں سے افضل۔ ہم پڑے کمرے سے بسلسلہ جمعہ مبارک ادا کرنے چل پڑھے۔ آج زائرین کا بے پناہ ہجوم تھا۔ جس طرف بھی نگاہ جاتی تھی۔ زائر ہی زائر۔ تل دھرنے کی جگہ کہیں نہ تھی۔ دور تک دیکھا ہم نے مفصلہ کے دامن میں ایک چٹائی بچھا کر حدود حرم سے جڑے ہوئے اور حرم سے دور تھے۔

اللہ اللہ مکہ کی قریہ قریہ، ذرہ ذرہ نور سے بھرا چاروں طرف حرم ہی حرم ہے۔ مفتیان حرم کا فیصلہ ہے کہ مکہ شریف کے اردگرد جتنی بھی مساجد ہیں یہ ساری حرم ہیں ان کے اندر نماز ادا کرنے کا اتنا ہی ثواب ہے جتنا حرم شریف

کے اندر ہے۔ نماز ادا کی۔ بقول قیوم

وہ مکہ کی گلیاں مدینے کے کوچے

فضا باغ جنت سے نہلا رہی ہے

نماز ادا کر تو دی، گرمی کی شدت اور بے پناہ ہجوم نے ایک گھنٹہ تک ہلنے نہ دیا۔ آخر ہم نے حاجی حنیف صاحب اور میں نے سفارت خانہ ہند اور معلم کے ہاں گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی۔ واپسی پر کچھ کوچے اور گلیوں سے ہوتا ہوا پھر نماز عصر مغرب اور عشاء ادا کی۔ مجھے ایک احساس ہوا یہ رب کعبہ کی سرزمین ہے۔ یہاں پر بھی ہمارے لوگ چوریاں کرتے ہیں ان میں زیادہ ہندوستانی، پاکستانی اور بنگلہ دیشی لوگ ہیں جو اپنے پر بدنما داغ تو لگا ہی دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ملکوں، ریاستوں، بستیوں، شہروں اور گاؤں کے لوگوں کی بے عزتی ہوتی ہے۔ حق معاف نہیں ہوتا۔ غازی ہو یا حاجی، متقی ہو یا ولی، عالم ہو یا جاہل، حق تلفی کرنے والوں کو قیامت میں اس کا حصہ ادا کرنا ہوگا۔ یہاں تک کہ شہید کو بھی اللہ جنت میں تب تک نہ بھیجے گا جب تک وہ حق ادا نہ کرے گا۔ معلم کے ہاں پتہ چلا کچھ اور لوگ ہیں جن کا سامان لاپتہ ہے۔ لیکن بہتوں کا سامان معلم کے ہاں پڑا ہوا تھا۔ حاجی صاحب کافی گھمائے اور پھر مجھے بعد عشاء کمرے میں لائے۔ یہ جبل عمر پر واقعہ ہے رات ہونے تک بات چیت ہوتی رہی۔ ساتھیوں سے ملاقاتیں علمی گفتگو، دینی مسائل رات ساڑھے بارہ بجے کھانا تناول کر کے سو گئے۔

سنیچر سے سوموار تک

ناشتہ کرنے کے بعد حرم میں پہونچنا، طواف تلاوت اور نمازوں میں مصروف، عشاء تک رہنا، دن بھر زم زم کے گھونٹ، ہلکی سی غذا حاصل

کرنا، حجرِ اسود، ملتزم میزاب، مقام ابراہیم پر دعاؤں میں مصروف اور کبھی حجاج کرام سے ملاقاتیں ہوتی تھی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ دنیا کے ہر قسم کے لوگوں سے ملنے کا موقعہ ملتا ہے۔ انڈونیشیائی، ملیشیا، الجزیرہ، ترکی، فلسطینی، سیریا، رومانیہ، نائیجیریا، امریکی، برطانوی، چینی، فرانسیسی، رومن اور تمام عرب ملکوں سے آئے ہوئے زائرین سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اور کبھی جب کسی کو پتہ چلتا میں کشمیر کا ہوں یہ کلمہ حیرت تھا۔ ایک افغانی نے میرے ہاتھ کو چوما۔ جب میں نے کشمیر کا ذکر کیا۔ جرمن میں پاکستانی سفارت خانے کا سفیر ملا۔ بڑا ہنس مکھ، گفتگو سنجیدہ، کم سنی کا عالم، ایک باوقار شخصیت دکھائی دیتا تھا۔ جس کا نام غالباً خالد بھائی تھا۔ وہ جرمن کی داستان سنا رہا تھا کہ چھ ماہ کے بعد سورج کو دیکھا اور گرمی حاصل کی وہ جرمن سے مایوس تھا۔ وہاں کے کلچر اور دیگر سماجیات اور ثقافت سے تنگ آچکا تھا۔

دنیا میں ۶۰ فیصد لوگ باہر کے عربی بولتے ہیں اور جانتے ہیں خوش نصیبی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی زبان ہے اور جس کو اللہ نے پسند فرمایا۔ اس کا چرچا صبح وشام ہر جگہ، ہر قریہ گلی، عربی زبان بولنے والوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ بدنصیبی اس لیے کہ وہ عربی کے بغیر کچھ نہیں جانتے۔ عربی کے بعد کم سے کم انگریزی یا اُردو زبان ضرور سیکھنی چاہیے۔ کیونکہ انٹرنیشنل پیمانے پر بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اکثر اوقات عربی زبان یا کچھ علاقائی زبانیں بولتے ہیں۔ اشیاء کے لوگوں کی بھی بدنصیبی ہے۔ انہوں نے عربی زبان کا حق ادا نہ کیا۔ صرف علماء اور مُلا تک ہی محدود رکھا۔ جس کی وجہ سے بہت سے علوم نئی نسل سے پوشیدہ ہیں۔ مکہ اور مدینہ کے باشندے عربی کے بغیر کچھ نہیں جانتے سوالیہ معمہ ہے۔ آخر اس سے اسلام میں کوئی کمی نہ آئے گی۔ اگر عربی علوم

زبان کے علاوہ دیگر علوم اور زبانوں کا مطالعہ کیا جاوے۔ تو علم کا اضافہ ہی ہے اگرچینی جاپانی جرمنی روسی اور دیگر زبانیں نہیں سیکھ سکتے ہیں پھر بھی انگریزی اور اردو عرب قوم کو ضرور سیکھنا چاہیے تا کہ حجاج کرام کو پریشانی کا سامنا کم کرنا پڑے۔ اس طرح سے عرب تہذیب تمدن، سماج جیسے معاملات کو سمجھ سکیں۔ کچھ لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں لیکن زبان کی قید کی وجہ سے یہ تمام معاملے رہ جاتے ہیں۔ مکہ اور مدینہ یونیورسٹیوں میں ضرور گیا۔ صرف ہندوستانیوں، کشمیریوں اور پاکستانیوں سے ہی ملاقات کی۔ زبان کی قید کی وجہ سے میں کسی غیر ملکی، جب کہ وہاں پر دنیا کے تمام ملکوں کے طالب علم ہوتے ہیں ملاقات نہ کرسکا۔ یہاں تک میرے ساتھیوں نے چاہا کہ شیخ جامعہ سے ملاقات کروائی جائے۔ میری بدنصیبی وہ عربی ہی عربی جانتے تھے جو میں نہ جانتا تھا۔ یہ ایک المیہ بھی ہے۔ اس پر عرب ممالک کو ضرور سوچنا چاہیے اور توجہ دینا چاہیے۔

بعد نماز عشاء میں نے معلم سے منیٰ میں خیموں کے لیے کارڈ بنوائے۔ اپنا اور ساتھیوں کا بھی اس کے بعد غزہ مارکیٹ میں سونے اور ہیروں سے بھری ہوئی مارکیٹ کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ لاکھوں لوگ خرید وفروخت میں مصروف بھی تھے۔ یہاں سے ہم سیدھے کمرے میں گئے جہاں پر آج حاجی محمد خان صاحب نے دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ بہت اچھی دعوت تھی۔ میں کھاتا رہا انہوں نے خدمت کا موقعہ کبھی نہ دیا۔ کھانے کے بعد دینی مسائل پر بات چیت ہوئی۔ رات ایک بجے کے قریب سوئے۔ حالانکہ یہ بھی ذہن میں تھا۔ کل سے حج مبارک کی تیاری کرنی ہے لیکن دینی مسائل میں اتنا مصروف ہو گئے چھوڑنے کا بھی دل نہ چاہتا تھا۔

آج منگلوار ۸ رذی الحجہ تھا۔ آخر وہ لمحہ آ ہی گیا۔ جس کے لیے ہر زائر کم وبیش ایک لاکھ زادِ راہ صرف کرتے ہیں۔ مزید تکلیف، مصیبت، پریشانی اور نہ جانے کن کن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پھر حج کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ نماز فجر کے بعد تیاری شروع کردی۔ ناشتہ کرتے ہی غسل کیا اور احرام پہن لیا۔ پھر دو نفل شکرانہ ادا کیے۔ تمام ساتھی کمرے سے نکل کر سیدھے حرم شریف میں حاضر ہوئے اور وہاں سے حضور صلعم کے مکان کے قریب جاڑ کے یہ وہی مکان تھا۔ جہاں سے عالم انسانیت کو روشنی ملی۔ جو روشنی ساری دنیا کو نور سے منور کرگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ محترم اور دادا جان اسی مکان میں رہ چکے تھے اور پھر خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر حکم ربی مشرکین مکہ کی زیادتیوں کی وجہ سے اس کو چھوڑنا پڑا۔ سفر حج گھر سے شروع ہوا تھا۔ اب ارکان حج مکمل کرنے کے لیے اور تلاش حق جس میں بخشش کا پروانہ ڈھونڈنے کے لیے ہم تمام یہاں جمع ہوئے۔ ساتھیوں کا قافلہ تلبیہ پڑھتے ہوئے حرم سے نکل کر منیٰ کی سرنگ میں جا داخل ہوئے۔ سرنگ میں ٹھنڈی اور تیز ہوا کے جھونکے اِسے آ رہے تھے جیسے کہ میں پیر پنچال کے دامن میں کسی وادی میں چل رہا تھا۔ یہ کم وبیش ایک کلومیٹر لمبی سرنگ ختم ہوتے ہی عجیب منظر تھا۔ بڑے بڑے ہوٹل، خوبصورت پارک اور ٹھنڈا پانی یہ تمام خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ قدم منزل کی جانب اور ذہین اللہ کی اس بے پناہ رعنائیوں کو دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا۔ اللہ کو یہ خونخوار، آتشگیر پہاڑ جن کو دیکھ کر جی گھبرا جاتا ہے کیوں پسند آئے، جلدی سوچ ختم کردی۔ یہ مقدس سرزمین ہے جو ساری دنیا میں افضل ترین ہے۔ اس پر ایسا سوچنا بھی گناہ ہے۔ منیٰ میں چل ہی رہے تھے۔ حدِ قاتی کھجور نوش فرمائی اور نماز ظہر قصر کے ساتھ ادا کی۔ میں قرآن

خوانی میں مصروف ہوگیا۔ اتنے میں حاجی حنیف صاحب بند ڈبے میں کھانا، مرغی، نہ جانے کیا کیا لائے، چار پانچ ساتھیوں نے بیٹھ کر کھانا نوش کیا۔ میں کھانا کھاتے ہوئے سوچ رہا تھا پوری عرب سرزمین کو اللہ نے نوازا ہے۔ مکہ و مدینہ شہروں کو تمام پر فضیلت رکھی ہے۔ مکہ میں کعبہ، حرم زم زم صفا و مروا، حجرا سود، غارِ حرا، غار ثور، منیٰ مزدلفہ، عرفات اور جنت الماویٰ شامل ہیں۔ اسی طرح مدینہ میں آستانہ رسول، گنبد خضریٰ، ریاض جنت، مسجد قبا، مسجد قبلتین، مسجد جمعہ، مسجد عمر، پہاڑ احد اور بدر ہیں جب کہ مکہ میں اللہ کی حفاظت مدینہ میں رسول کی حیات مکہ میں اللہ کا جلال مدینہ میں اللہ کی برکتیں، مکہ میں اللہ کی صفات، مدینہ میں رسول کی حیات مکہ میں اللہ کا جلال، مدینہ میں رسول کی معجزات شامل ہیں۔ میں دیکھ رہا تھا پچیس تیس لاکھ حجاج کا قافلہ سفید احرام میں سر ننگے پاؤں میں ایک چپل ہاتھ میں تھوڑا سا سامان اٹھائے ہوئے سوئے۔ منزل گامزن تا حد نظر دکھائی دیتے ہیں۔ ہمارا قافلہ حاجی حنیف صاحب کی قیادت میں ہولے ہولے قدم سوئے منزل بڑھا رہا تھا۔ فوج، پولیس، نہ کوئی گائیڈ دکھائی دیتا ہے۔ نظم و ضبط، صفائی، اخلاقیات، اسلامی اخوت، ہر ایک سے پسینے کی طرح ٹپک رہا تھا۔ اگرچہ گرمی شباب پر تھی۔ اللہ کے خوف کا پسینہ بہہ رہا تھا نہ کہ گرمی کا۔ ہم جمرات کے پاس گذر رہے تھے کہ نیم فوجی دستے کچھ جمرات کے قریب کھڑے تھے تا کہ کوئی حاجی قبل عرفات اس حدود میں داخل نہ ہوسکیں، اب ہم آخر مسجد حنیف تک جا ہی پہونچے جہاں پر عصر کی نماز قصر کے ساتھ ادا کی، پھر آگے کی طرف بڑھنے کا قصد کیا، منزل دور تھی لیکن بہتر یہی جانا کہ ہم معلم کے خیموں میں ہی ٹھہریں، خیموں کا کارڈ میں نے پہلے سے ہی بنوایا تھا، خیمہ نمبر ۲۷ میں ساتھیوں سمیت ٹھہرے۔

بڑے اچھے خیمے ہیں چودہ پندرہ حجاج ایک خیمے میں رہ سکتے ہیں۔ نیچے قالین، ریتلی زمین پر اور خیمہ ائیر کنڈیشنز سرد اور گرم دونوں ہوائیں میسر تھی۔ مغرب کی نماز مسجد خیف کے دامن میں ادا کی۔ اس وقت تا حد نگاہ انسانی جانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دیتا ہے۔ پندرہ سال کے بعد جب دوبارہ یہ مقدس فریضہ انجام دے رہا تھا اور منیٰ میں ہر قسم کی تبدیلی دیکھی گئی سبز گھاس مخمل کی مانند، پھول درخت، خوشبو اور ٹھنڈ پانی زیر زمین ہر وقت دستیاب تھا۔ منیٰ کا نچلا منظر کچھ اور ہی دکھائی دیتا تھا۔ اگر چہ اردگرد کے پہاڑ حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے دور کی شہادت دے رہے ہیں۔ آج منیٰ کی تمام پہاڑیاں پتھر اور ڈھلیں سفید برف کی چوٹیوں سے لبریز دکھائی دے رہے ہیں۔ کیسا خوشنما منظر لگتا ہے۔

حکم ربی کی تکمیل دنیا بھر کے ملکوں سے آئے ہوئے لوگ جو نہ جانے ملائم مخمل کے بستروں پر سونے والے آج ان پتھروں کے ساتھ لپکے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ریشمی بستر یہی ہیں۔ اب نماز عشاء ادا کی۔ حاجی مجید صاحب وہی کھانا لائیے، ۵، ۶ افراد نے بیٹھ کر کھایا۔ بہت لذیذ تھا۔ رات ساڑھے بارہ بجے تک دینی مسائل زیر بحث آئے۔ کچھ پاکستانی حجاج بھی اس میں شریک رہے۔ ایک بجے سو گئے۔ صبح تہجد کی اذان پر کھڑے ہوئے، پھر نماز فجر ادا کی۔ اب ہماری پانچ نمازیں منیٰ کے اندر پوری ہوگئی ہیں۔ اور یہاں سورج چڑھنے سے پہلے ہی منیٰ کو چھوڑ دینا ہے۔ نماز فجر کے ساتھ ہم نکل پڑے۔ ۹ ذی الحجہ بدھ وار وہ خوش قسمت دن تھا جس دن تمام لوگ اپنی بخشش کے سامان کے لیے اسی میدان میں جوق در جوق جا رہے ہیں۔ لاکھوں پیدل اور ہزاروں گاڑیاں ان زائرین کو لے جا رہی ہیں۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آدم

کی توبہ قبول اور اماں حوا کی ملاقات ہوئی۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری خطبہ سنایا گیا تھا۔ حج کا مقصد قیام یوم عرفہ ہے، جن لوگوں نے عرفات کے میدان میں قیام کیا وہی حاجی کہلاتے ہیں۔ بعد نماز فجر ہم اپنے سفر پر چل پڑے۔ مجھے معلم کی طرف سے گاڑی کا ٹکٹ تھا۔ لیکن ساتھیوں کا قافلہ تھا۔ اس لیے ایک بچہ کہہ رہا تھا عرفہ عرفہ، عشرہ ریال۔ ہم نے جسّت لی اور گاڑی کے اوپر بیٹھ گئے۔ چھوٹی سی گاڑی تھی، یہ بچہ کچھ اُردو بھی بولتا تھا۔ میں نے پوچھا تم کہاں کے ہو، کہا ملتان پاکستان کا رہنے والا ہوں۔ میں نے پوچھا پڑھائی کیوں نہیں کی، کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ پاکستانی لوگ دنیا کے ہر ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور عرب ان کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ چھت پر بیٹھ کر میں بغور مقدس سرزمین کا دیدار کر رہا تھا۔ اللہ کی بے پناہ رحمت وہاں پانی کی مانند بہائی جاری ہے، ہماری گاڑی ابھی وادی مزدلفہ سے گذر رہی تھی۔

یہ منیٰ سے بھی ڈراؤنی لگتی ہے جہاں پر اور کچھ پہاڑ ریتلے میدان دکھائی دیتے ہیں، آگے بورڈ آہی گیا مزدلفہ ختم، عرفات شروع لاکھوں زائرین اگلی منزل پر پہونچ چکے تھے اور کچھ ابھی بھی منیٰ میں موجود تھے۔ منیٰ سے عرفات پانچ کلومیٹر مسافت کی یہ وادی زائرین کرام سے بھری ہوئی نظر آرہی تھی۔ تمام سفید کفن اوڑھے ہوئے اپنے گناہوں کا کفارہ کرنے اور نادم ہونے کے لیے رواں دواں تھے۔ عرفات کا میدان دور پہاڑوں سے چاروں طرف گھیرا ہوا درمیان میں بڑے بڑے ریتلے میدان وادی عرفات کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ اللہ نے کتنا عظیم شرف اس وادی کو بخشا ہے۔ ہماری گاڑی ڈھائی گھنٹے کے بعد مسجد نمرہ کے قریب جالگی۔ میں جلد ہی اتر کر عرفات کی مٹی پر ٹہلنے لگا۔ میرے ساتھی بھی اترے، اب ہم عرفات کے میدان میں تھے۔ عرفہ کے

لغوی معنی میں ٹھہرنا رکنا، قیام کرنا حدودِ عرفات میں ٹھہرنے کو ہی حج کا نام دیا گیا ہے۔ گاڑی سے اتر کر سیدھے غسل وضو بنانے کے بعد مسجد نمرہ شریف میں داخل ہو گئے۔ نوافل ادا کے درمیان میں جگہ مل گئی۔ میں نے ساتھیوں سے رخصت لے لی اور مسجد کا چکر لگانے لگا اور پھر مسجد کے منبر کے قریب گیا وہاں ایک چبوترے جیسی جگہ ہے۔ جس میں کسی کو داخلے کی اجازت نہیں ہوتی ہے اردگرد پرسے دار ہیں، اس کے اندر امام۔ بادشاہ سفیر یا دیگر ملکوں کے بادشاہ صدر کو ہی بیٹھنے کی اجازت ہے۔ اس چبوترے کے اندر چار سو کے قریب نمازی بیٹھ سکتے ہیں، آگے بڑھا تو امام کے کھڑے ہونے والی جگہ یعنی محراب پر لکھا ہوا تھا "فلنولينك قبلة ترضاها" اردگرد حجاج کرام نمازیں ادا کر رہے تھے اور میں یہ سب کچھ قلمبند کر رہا تھا۔

ایک عربی سپاہ نے کہا آپ کیا کر رہے ہیں۔ معافی البتہ ہذا من سفور" اپنے سفرنامے کے متعلق لکھ رہا ہوں۔ اس کو یہ کچھ سمجھ نہ آیا وہ مجھ سے دور چلا گیا۔ مسجد نمراہ کا کچھ حصہ مزدلفہ میں ہے۔ باقی عرفات میں یہ لگ بھگ پانچ سو میٹر چوڑائی میں اور سو میٹر لمبائی میں ہے۔ جس کے اندر ڈھائی تین لاکھ لوگ بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ بڑی عالیشان مسجد ہے پنکھے کولر اور دیگر سہولیات میسر ہیں۔ دو ہزار کے قریب صرف ستون ہوں گے۔ وضوخانہ جو مسجد کے جنوب مشرق کی طرف ہے اس میں ہزاروں لوگ غسل اور وضو میں مصروف چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہوئے تعجب ہوتا ہے۔ عربوں نے اربوں روپیہ صرف غسل وضو اور نجاست خانوں پر خرچ کیا ہے اور جدید ٹیکنیکس استعمال کی گئی ہے اور وہاں کے عام وضوخانے، ہمارے وی آئی پی وضوخانوں سے بھی اعلیٰ ہوتے ہیں۔ اندر ہی وضو غسل مخرج، پھر جھرنے ہر قسم

کا بہترین انتظام پونا ایک بج چکا تھا۔ آخر وہ ساعت آ ہی گئی جب امام صاحب نے حج کا خطبہ پڑھنا شروع کر دیا۔ میں سن ہی نہیں رہا تھا بلکہ دیکھ بھی رہا تھا۔ امام صاحب دنیا کے ایک عرب مسلمان قوم کی اِس وقت اللہ کے حضور نمائندگی کر رہے تھے۔ عالم انسانیت کے علاوہ عالم اسلام کے لیے خصوصی دعائیں تھی۔ فلسطین، کشمیر، افغانستان، عراق کے لیے بھی دعائیں خطبہ میں ہوتی۔ خطبہ پورا ایک گھنٹہ چلا، بعد خطبہ دو رکعت، قصر ظہر اور دو رکعت عصر ادا کی۔ عصر کی دو رکعتوں میں امام صاحب نے سجدہ سہو بھی کیا۔ کیا بھول ہوئی، یہ امام صاحب اور اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے۔ اب حج ادا ہو گیا۔ اب زائرین اللہ کے دربار سے حاجی کہلانے کے حق دار ہو گئے ہیں۔ حاجی ایک دوسرے کے بغلگیر ہو رہے تھے۔ اور ہاتھ بھی ملا رہے تھے۔ اور یہ حج مبارک ادا ہونے کی علامت ہے۔ دعائیں انفرادی طور ہو رہی تھی۔ ہم بھی اپنے گناہوں پر پشیمان تھے، اور فرضیت بھی محسوس کر رہے تھے۔ اللہ اس حج کو قبول فرمائے اور میں اپنے والدین کے حقوق ادا کر سکوں اور میری والدہ کو اس کا ثواب بخشتے۔ کیونکہ میں حج بدل والدہ کی طرف سے کر رہا تھا۔ دعا کے بعد ہم نے جلد ہی مسجد نمرہ کو خیر آباد کیا۔ اور جبل رحمت کی طرف چل پڑے۔ دلی طور پر بڑی حسرت ہوئی، حج ادا ہو گیا۔ اب سورج ڈوبنے تک وقوف عرفات لازم ہے۔ میرے ساتھیوں نے کھانا لایا۔ ہم نے تناول کیا۔ پھر چل پڑے، راستے میں دفتر، ہسپتال، مددگار، لوگ کھڑے تھے۔ اہل خیر حضرات کی طرف سے قسم قسم کی مشروبات اور طعام و اشیاء تقسیم ہو رہی تھی۔

لوگ جوق در جوق گرد در گرد دوڑ رہے تھے۔ کچھ پیسے کماتے تھے، کچھ لٹاتے تھے، کچھ دنیا کما رہے تھے اور کچھ آخرت سعودی حکومت اپنی ذمہ

داریوں کو نبھا رہی تھی۔ ہوائی جہاز ہیلی کاپٹر آسمان میں چکر کاٹ رہے تھے اور تاکہ ایمرجنسی کی صورت میں لوگوں کی مدد کی جاسکے۔ ہسپتال کی گاڑیاں تیز تر ہارن دے کر حجاج کرام کو ہسپتال میں لے جانے کو کوشاں تھی۔ ہم اسی جم غفیر میں آگے کو بڑھ رہے تھے۔ جب میں نے نگاہ دوڑائی، عرفات کے میدان میں طرح طرح کے درخت، ٹھنڈا پانی سایہ دار، جھاڑیاں اور جدید انتظام حجاج کرام کے لیے اسی میں لاکھوں جانوں کا ہجوم ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کی مانند، تاحد نظر سفید لباس میں ملبوس بے رنگ و نسل ایک ہی مذہب ملت دینا کہ گوشے گوشے سے آئے ہوئے ایمان والے ''لبیک اللھم لبیک'' کی تلبیہ پڑھتے ہوئے اللہ کا ذکر بلند کر رہے ہیں۔ کچھ اشک ندامت بہا رہے ہیں۔ کچھ آج بھی بھیک مانگ رہے ہیں کچھ اپنی تجارت کاروبار میں مصروف اور کچھ ہی غالباً اللہ کے ذکر میں مشغول اللہ اور رسول کی سنت کی پیروی کر رہے ہیں۔ عجیب سا سماں لگتا ہے۔ قیامت اور حشر کا منظر بپا ہے صرف حساب لینے والا کوئی نہیں ہے۔ ہر ایک اپنے اعمال نامے کو بارگاہِ ایزدی میں پیش کر کے اپنے گناہوں کو کفارہ کر رہا ہے۔ اللہ کی رحمت جوش میں آجائے تو یہ ساری قوم واقعی معصوم ہو جائے گی۔ ایک گھنٹہ کے بعد ہم جبل رحمت کے دامن میں پہونچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر میدان خالی ہوتا تو مسجد نمرہ سے جبل رحمت صرف تین منٹ کا راستہ تھا۔ دامن سے پہاڑی تقریباً دو سو میٹر کی بلندی ہے جو سخت چٹانوں، مشکل راستہ سے گذرنا پڑتا ہے میں اور حاجی حنیف صاحب جبل رحمت پر پہونچ ہی گئے جہاں پر میں نے دو نفل ادا کیے۔ فوٹو گرافی ہو رہی تھی، جو پانچ اور دس ریال میں ایک کاپی مل رہی تھی۔

فوٹو لے کر ایک منٹ میں فوٹو کیمرے سے باہر آجاتا۔ اور زائرین کے

حوالے کیا جانا۔ میرے ساتھی نے ایک فوٹو گرافر کو کہا "ھٰذ احرام"۔ اس نے جٹ سے دس ریال کا نوٹ پیش کیا جس پر شاہ فہد کی تصویر بنی تھی اور کہنے لگا یہ حرام نہیں ہے۔ نماز و دعا سے فارغ ہوتے ہی میری نظر میدان عرفات میں کود گئی۔ دور تک چاروں طرف لاکھوں فرزندان توحید زندہ جنازے کے روپ میں عرفات کے میدان میں پھلے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ سفید کفن اوڑے ہوئے حجاج کرام اوڑھے پر چٹانوں کے درمیان، جھاڑیوں، درختوں کے نیچے خیموں کے اندر، پتھروں کے سایے میں اور چھوٹی چھوٹی چوٹیوں پر اپنی زندگی کا بہترین دن تلبیہ پڑھ کر گذار رہے ہیں۔ بڑا دلکش منظر لگ رہا تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں آدم کی توبہ اماں حوا کی ملاقات ساڑھے تین سو سال کے بعد ہوئی۔ یہاں کے بعد نسلِ آدم کا وجود ہوا۔ اب ہم آہستہ آہستہ جبل رحمت سے نیچے ساتھیوں کی طرف آرہے تھے۔ راستے میں ہزاروں بزرگ جوان، بچے خواتین، مائیں اور بہن، پتھروں کی آڑ میں آرام فرما رہی تھی۔ گرمی کی تپش شدت کی تھی اور میں یہ بھی سوچ رہا تھا۔ یہ لوگ کتنے امیر اور عیاش ہوں گے یہاں پر پتھر مٹی کنکر کانٹے ریت دھوپ کی تمازت سب چیزوں کو برداشت کیے ہوئے کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہم ساتھیوں کے پاس آگئے جو جبل رحمت کے دامن میں بیٹھے، اُنگور کھا رہے تھے۔ جس میں ہم نے بھی شمولیت کی، یہ حفظ بٹھی صاحب لائے تھے۔ اب ہم بھی ایک درخت کے سایے تلے بیٹھ گئے اور چند گھنٹے گذارنے تھے۔ یہاں پر ہمارے پونچھ ضلع کے چند نوجوان ملے جنھوں نے ایک جھنڈا گاڑا تھا جس پر لکھا تھا شیر کشمیر جے اینڈ کے، میں ان سے مخاطب ہوا اور پتہ چلا وہ عرصہ تین سالوں سے اپنے گھروں سے آئے ہوئے ہیں اور ستم ہائے روزگار

کے وہ مکہ اور مدینہ کے پہاڑوں میں عرب کے بدھوں کے پاس پناہ لے رکھی ہے۔ کچھ اور لوگوں سے بھی ملاقات ہوتی رہی، میں ذاتی طور پر تلاوت قرآن میں مصروف ہو گیا۔ اتنے میں ساتھیوں نے چائے لائی۔ جو تمام نے بیٹھ کر نوش کی۔ سن پچاسی میں اور آج کے عرفات ہی نہیں بلکہ مکہ و مدینہ کے شہروں میں کافی تبدیلی آچکی ہے اور پچاسی میں پانی پینے یا وضو کے لیے کہیں کہیں دور جا کر ملتا تھا۔ بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اس کے برعکس آج پانی ہر قدم پر بہتات سے ہر جگہ میسر تھا اور ایسا ٹھنڈا تھا جیسا کہ فریج سے چل رہا تھا۔ اور اتنا کنٹرول میں تھا۔ جتنا بٹن دباؤ اتنا ہی میسر ہوگا۔ اور یہی نہیں بلکہ درخت اور جھاڑیوں سے ٹھنڈی ہوائیں پھوٹ رہی تھی۔

تیس لاکھ لوگ آج فریضہ حج ادا کر رہے ہیں بڑے نظم ضبط کوئی حادثہ یا واقعہ ہوئے بغیر عرب کے سپاہ دور دور کسی چوک یا موڑ پر کھڑے ہوئے حجاج کرام کو راستہ یا گائیڈ کا کام کر رہے ہیں۔ کوئی خوف خطر نہ کسی بم دھماکے، گولی بارود یا کسی بھی چھوٹے سے چھوٹی پریشانی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہر حاجی اپنے کام میں مصروف ذکر اللہ میں محو اور دھیرے دھیرے سوئے منزل رواں دواں اب عرفات کو خیر آباد کرنے کی تیاری شروع ہو رہی ہے۔ میں آج اسی جگہ میدان میں بیٹھا تھا جہاں پر حضرت آدمؑ اور حوا کی توبہ قبول ہوئی اور ملاقات نصیب ہوئی۔ اور جہاں پر حضرت ابراہیمؑ سے لے کر محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارکان حج ادا کیا تھا۔ اور ساڑھے چودہ سو سال سے فریضہ حج آمت محمدی ادا کر رہی ہے۔ وہی شوق لیے، عرفات کے میدان میں اپنے گناہوں پہ نادم، شرمسار اور پشیمان گریا زاری، پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ میرے اعمال سیاہ اور میرا ناپاک جسم اللہ کے حضور کس حالت

میں پیش ہوگا۔لیکن یہ امید کامل بھی تھی کہ یہ اوقات تو آج یقیناً بخشش اور رحمت ربی کے ہیں۔ میں اسی منظر میں کھو چکا تھا، حالت اضطراری سی پیدا ہوئی، کیا دیکھتا ہوں یکا یک آسمان سے انوار رحمت کی تجلی پھوٹ پڑی اور رحمت خداوندی جوش میں آئی۔ چالیس لاکھ لوگوں کے گناہ اسے جھڑ رہے تھے جیسے سخت اولے کسی پکی فصل یا تیار شدہ دھان کی فصل پر گر رہے ہیں۔ اور ہر حاجی چلا رہا تھا دکھ درد، آہ و بکا، گریہ زاری اللہ تمام حجاج سر بسجود تھے۔ اب کیا دیکھتا ہوں مایوسی اور غم کے بادل، جلد ہی رحمت خداوندی میں چھپٹ چکے تھے۔ایک فرشتوں کی ٹولی کو حکم مل چکا تھا جاؤ ان تمام زائرین کے گناہوں کی ٹوکری، حدود عرفات سے دور ڈال کر آؤ۔اسی عالم میں یکا یک آسمان سے انوار رحمت کی تجلی پھوٹ پڑی۔اب کیا دیکھتا ہوں نور ہی نور۔ عرفات کے میدان میں چاروں طرف سے برس رہا ہے۔حجاج کرام دریائے رحمت میں غوطہ زن میں بھی رحمت تجلی کو اپنے دامن میں سمیٹے جا رہے ہوں۔ میں نے رحمت اور بخشش کی لذتوں کو پکڑ کر اپنے جسم پر خوب سجایا اور رگڑ لیا۔ اب یہی لگتا تھا یہ ساری مخلوق جو آج میدان عرفات میں ہے۔ بالکل پاک و صاف ہوگی ہے جیسے کہ ایک نوزائیدہ بچے کی مانند ہے۔اقبال فرماتے ہیں ؎

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اب دھیرے دھیرے آفتاب اپنی کرنوں کو سمیٹے جا رہا تھا اور زوال کا اختتام ہو رہا تھا۔ اتنے میں حکومت کی طرف سے توپ چلائی جاتی ہے جس کے دس پندرہ آوازیں سنائیں دیتیں ہیں۔ یہ وہ الارم ہے جس سے وقوف عرفات ختم ہو جاتا ہے۔اسی طرح عرفات کو چھوڑنے کا حکم مل چکا تھا۔اگرچہ

ہم پہلے ہی سے حدود عرفات پر پہونچ چکے تھے۔ ہزاروں گاڑیاں لاکھوں حجاج نے یک مشت چلنا شروع کیا۔ ہماری ٹولی میں بیس تیس حجاج کرام بہ بانگ دہل تلبیہ پڑھ رہے تھے۔ اگرچہ ہمیں میدان عرفات کو چھوڑنے کو ایک گھنٹہ پھر بھی لگا۔ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ دعا بھی کر رہا تھا۔ اللہ ہمیں پھر میدان عرفات میں ٹھہرنے، حج ادا کرنے یہاں کی تمام نقل وحرکت ادا کرنے کا موقعہ فراہم کر۔ یہ بھی کہہ رہا تھا اب تمہارے حوالے وطن ساتھیو۔ اب ہم میدان مزدلفہ میں چل رہے تھے۔ لوگ گلے مل رہے تھے۔ حج کی ادائیگی کی مبارک بادی دے رہے تھے۔ مزدلفہ میں چار سڑکیں تھیں اور چاروں بیک وقت۔ ہزاروں گاڑیوں سے بھری ہوئی تھی۔ حجاج کرام پیدل سنت نبوی کو زندہ کر رہے تھے۔ مزدلفہ بھی کیا وادی ہے۔ سن پچاسی میں پانی نہ ملنے کی وجہ سے ہم نے مسح کر کے وضو بنایا تھا۔ اتنی قِلت تھی اور آج پانی کی فراوانی، درختوں کا سایہ، خوبصورت پیڑ تھے لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، اس کی گود میں سمٹ رہا تھا۔ ہم مسجد مشعر الحرام سے بھی آگے بڑھ گئے۔ مسجد میں عربی میں تقریر ہو رہی تھی، میری پہونچ سے باہر تھی۔ اس لیے سفر جاری رہا۔ آخر یہ قافلہ عرب کے قدیم دستور کے مطابق آگے چل کر ایک مقام پر جا کر رک گیا۔ جہاں پر ہم نے مغرب عشاء قصر کے ساتھ ادا کی۔ ابھی نماز سے فارغ ہو ہی رہے تھے۔ ایک کبری پل کے اوپر ایک گاڑی کو اچانک آگ لگ گئی اور پتہ نہ چلا کہ کتنے حجاج کرام، اس کی نذر ہو گئے۔ فائیر بر گیڈ تو ضرور پہونچا تب تک وہ جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے۔ اتنے میں حاجی مجید صاحب جا کر کھانا و مرغی لایا تمام نے نوش کیا۔ ایک صاحب بسکٹ کے ڈبے لائیے اور ساتھیوں نے کھائے ہم نے اپنی چٹائی کنکر کے ایک ڈھیر پر لگا دی اور آرام

کرنے کے لیے دراز ہو گئے۔ مزدلفہ والی رات کا مقام لیلۃ القدر والی رات جیسا ہوتا ہے۔ اسی رات نوافل اور قرآن خوانی کا اہتمام لازمی ہے لیکن حجاج کرام، تھکے ماندے دن کے سفر سے اکتائے ہوئے دھوپ کی تمازت سے جسم جھلسا ہوا ہے۔ اس لیے تمام آرام کرنے میں چاروں طرف کفن اوڑھے ہوئے زندہ مردے دکھائی دے رہے تھے۔ کیمرہ نہ ہونے کی وجہ سے منظر کشی نہیں ہوسکی ہے ورنہ چمکتی ہوئی چاندنی اور بے انتہا بجلی کی فراوانی کی وجہ سے معمولی سی چیز بھی دکھائی دیتی ہے۔ میں نے دیکھا کچھ مرد وزن کنکریاں چن رہے تھے۔ میں نے بھی کنکریاں چن لی۔ جس سے کل حضرت ابراہیم اور ہاجرہ کی سنت کی پیروی کرنی تھی۔ میرے ساتھی تھکے ماندے آرام فرما رہے تھے۔ مزدلفہ میں ہر سال عربوں، کنکریاں چُنی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہاں ڈھیر کے ڈھیر موجود ہوتے ہیں۔ آج اللہ والوں، عاشق حبیب اور محنت کش حجاج نے اس شب کا حق ادا کیا ہوگا۔ میں اس مقدس رات کا حق ادا نہ کرسکا۔ ''حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا''، ہم صبح اذان فجر سے قبل ہی بیدار ہوئے عرب والوں کی نماز ہمیشہ سے اول وقت میں پڑی جاتی ہے۔ ظہر ایک بجے عصر ۴ بجے مغرب ساڑھے چھ بجے گرمیوں کے دنوں عشاء ۸ بجے صبح پانچ بجے یہ تمام اوقات سعودی عرب کے حساب سے ہیں حج کے دنوں تمام باجماعت اپنے اپنے گروپوں میں ادا کرتے ہیں۔ نماز فجر کے بعد اِشراق سے قبل سورج طلوع ہونے سے قبل ہم نے ساتھ بجے کے قریب سفر شروع کیا۔ یہ چار پانچ کلومیٹر سفر سالار قافلہ حاجی حنیف صاحب کی قیادت میں ہو رہا تھا۔ وادی معسر تک جہاں یہ قافلہ بکھر گیا، یہاں ابھی بھی حکم ہے کہ یہاں تیزی سے چلنا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں ابرہہ یمن کا بادشاہ کعبہ کو ڈھانے

کے لیے اپنا لشکر لایا تھا اور عبد المطلب اپنے اونٹوں کو ڈھونڈ نے کے لیے جا رہا تھا۔ جس کے اونٹ گم ہوئے تھے جو تم نے تو نہیں دیکھے۔

ابرہہ کے لشکر نے کہا ہم تو ترے کعبہ کو گرانے جا رہے ہیں۔ عبد المطلب نے جواب دیا کعبہ کی حفاظت کی ذمہ داری میرے رب نے لی ہے۔ وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ تم میرے اونٹ دے دو۔ اتنے میں اللہ نے ابابیلوں کو حکم دیا۔ جن کی چونچوں میں چھوٹے کنکر تھے۔ وہ ابرہہ کے لشکر پر برسائے وہ تمام کے تمام وہی ختم ہو گئے اور کچھ واپس بھاگے اپنی منزل پہونچنے تک وہ بھی مر گئے۔ اس لیے یہاں سے گذرتے ہوئے حکم ہے جلدی نکلو۔ نو بجے ہم نے جمرات اولیٰ کو کنکریاں ماری۔ یہ سفر لاکھوں فرزندان توحید کے ساتھ گذر رہا تھا۔ جس میں عربی، عجمی، کالے گورلے بلا رنگ نسل ایک ہی مذہب وملت کے لوگ چل رہے تھے۔ اور جمرات پر لوگوں کا جم غفیر تھا۔ عورتیں چلا رہی تھی، بوڑھے کانپ رہے تھے۔ اور جوان خوف زدہ دکھائی دے رہے تھے۔ عجیب سماں تھا کسی کا احرام، کسی کی ٹوپی، جوتی، رومال، چھاتا، اور اس کے علاوہ اگر نقدی ہو تو لاکھوں روپے بھی یہاں نذر ہو جاتے ہیں پھر بھی حجاج اللہ کا شکر کرتے ہیں کہ اللہ نے عزت رکھی اور یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اللہ ساری زندگی شیطان سے محفوظ رکھے کچھ لوگ غصے میں چپل، جوتے اور دیگر غیر ضروری چیزیں پھینکتے ہیں۔ جسے شریعت نے منع کیا ہے۔ یہ سنتِ ابراہیمی کا عمل ہے۔ اب دس بج چکے تھے، قربانی کا معاملہ آ گیا، اہل مکہ کو قربانی معاف ہے۔ اگر وہ حج بھی کر لیں۔ اس لیے میرا سارا قافلہ اس سے نکل گیا۔ ایک ساتھی جس کا باپ حج کرنے کے لیے گیا تھا۔ وہ حفیظ بھٹی صاحب تھے، میرے ساتھ چل دیئے، ایک گھنٹہ سفر کرنے کے

بعد معلوم ہوا اس سال گورنمنٹ نے قربان گاہ بہت دور رکھا ہے۔

خیر بھوکے اور پیاسے چلتے ہی رہے آخر ہم وہاں پہونچ ہی گئے جہاں کیا دیکھا اونٹ، گائے، بیل، لاتعداد میں موجود تھے۔ اب ہم پانچ لوگ ہو گئے، تین ہندوستانی، دو برطانوی، دو اور نہ مل سکے جس کی وجہ سے بڑے جانور کی قربانی ترک کرنی پڑھی۔ اتنے میں ایک عربی بلا رہا تھا، ایک سو پچاسی ریال میں قربانی، دنبہ، بکری، بھیڑ ہم اس کی آواز کے ساتھ لپک گئے۔ ہم پانچوں اس کی گاڑی میں بیٹھ گئے، وہ ہمیں دور وادی ملک محسن میں لے آیا۔ منیٰ سے بیس پچیس کلومیٹر دور خونخوار اور آتشگیر پہاڑوں کو چیرتے ہوئے آخر ہم وادی ملک محسن جا پہونچے۔ واقعی ہزاروں کی تعداد میں جانور، بھیڑ، بکریاں، دنبے موٹے فربہ تازہ بڑے خوبصورت تھے۔ یہ عربی ڈرائیور ہمیں دو تین جگہوں پر لے گیا۔ آخر ایک جگہ ہم نے ایک سو پچاس ریال کے بجائے دو سو پچاس ریال کے حساب سے دنبے خرید کیے اور پھر ان کو ذبح خانہ کی طرف لے گئے۔ بھائی عمیر صاحب اور ان کی اہلیہ جو انگلینڈ میں رہ رہے تھے، بنیادی طور پر وہ بہار ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ ایک اچھے عالم دین ہیں اور وہ انگلینڈ میں کسی مدرسے میں ترمذی شریف پڑھاتے ہیں۔ دو تین لوگ ہمارے ساتھ اور ملے جو پاکستانی تھے وہ گوشت کی لالچ میں ہمارے ساتھ چل رہے تھے۔ ان کو منیٰ میں پیسے کمانے تھے۔ میں نے اور بھائی عمیر صاحب نے دنبے ذبح کیے اور قصاب کو دو کی کھال اتارنے کے لیے کہا۔ اس نے تیس ریال کھال اتارنے کے مانگے۔ بیس ریال قربان گاہ میں ذبح کرنے کے لیے خیر اللہ کے فضل سے قربانی ادا ہوئی۔ احرام خون سے لت پت ہو گیا۔ اللہ کا حکم بجالانے اور اس کی خوشی حاصل کرنے کے لیے یہ سب

سنتیں پوری کر رہے تھے۔ لاکھوں فرزندان توحید وہاں پر اپنے والدین یا کسی اور کے نام کی قربانی دیتے ہیں۔ ہم نے دو دنبوں کی کھالیں ادھیڑیں اور کچھ معاوضہ دیا۔ گوشت تھیلے میں بند کیا اور وہاں سے چل پڑے ذبح خانہ میں ہزاروں ہی نہیں بلکہ لاکھوں دنبے بکرے بھیڑ ذبح کیے ہوئے تھے بڑی مشکل سے ہم باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب ٹیکسی والے کو میرے ایک ساتھی بھٹی صاحب نے پندرہ ریال کے حساب سے کرایہ دیا۔ اس نے آکر مکہ مکرمہ چھوڑ دیا۔ دس منٹوں کے بعد ہم حرم پاک کے قریب اُتر گئے۔ اس کار میں دو بنگلہ دیشی بھی تھے۔ آب دنبوں کا گوشت اٹھائے ہوئے ہم کمرے میں پہونچے، پہلے سر منڈیا، غسل کیا۔ کپڑے بدلے کھانا تیار ہوا اور خوب سیر ہو کر کھایا، نماز ظہر ادا کی، اس کے بعد طواف زیارت اور سعی مکمل کیا۔ مقام ابراہیم پر نوافل اور حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے بڑے ترستے رہے۔ لیکن ناامید ہو کر واپس لوٹے آج بہت زیادہ ہجوم تھا۔ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ سعی میں، صفا سے دور پچاس میٹر پر سعودی گورنمنٹ نے سبز لائٹ کا انتظام رکھا ہوا ہے۔ وہاں سے رمل یعنی دوڑ کر چلنا پڑتا ہے۔ حضور نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ وہاں قدم دھرنا محال تھا۔ مقام مروہ پر دو نفل بڑی مشکل ہے ادا کیے، یہاں سے نکل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان حجرہ مبارک کے پاس رکے۔ اتنے میں مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ بعد نماز تمام ساتھی یکجا نکل پڑے۔ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ منیٰ میں خیمے ملیں گے کہ نہیں۔ سرنگ میں داخل ہوتے ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ بجلی کی اتنی بہتات ہے، جیسا سورج چمک رہا ہے ویسے بھی عرب میں بجلی بہتات میں ہے۔ صرف کعبہ حرم پاک کے اردگرد تقریباً بیس لاکھ کی یومیہ بجلی صرف ہوتی ہے۔ کعبہ کا منظر رات کو دیکھو وہ دن

سے زیادہ چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ رات کی بجلی دن کے سورج کا مقابلہ کرتی ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں ایک سیکنڈ کے لیے بجلی بند نہیں ہوتی ہے۔ سرنگ سے گذر رہے تھے کہ مرد وزن قافلہ در قافلہ طواف زیارت کرنے اور زیارت کر کے واپس جارہے تھے۔ سرنگ ختم ہوتے ہی سڑک کے دونوں طرف حجاج کرام چار کلومیٹر کے احاطہ میں مرد وزن چٹائی ڈال کر نوافل تلاوتوں ذکر و اذکار میں مشغول ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے گھروں یں بڑے اونچے محلوں میں رہنے والے اور مخملیں بستروں پر سونے والے جہازوں اور کاروں میں چلنے والے گھروں میں بوٹ بھی نوکر لگانے والے اور خدمتگاروں سے اپنے جسم کو دبانے والے بھوکے پیاسے سڑک کے کنارے ڈھلوں ڈھلوانوں پر مٹی کے ریگستانوں میں بیٹھے ہوئے۔ اپنے گناہوں پر آنسوں بہارہے ہیں۔ اور وہی تھوڑی دیر کیسے سوبھی جاتے ہیں۔ اس بڑے ہجوم کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چالیس پچاس لاکھ حجاج کو اکٹھا کر کے ان سے اپنی بڑائی تعریف کرواتا ہے۔ اور اسی عمل کو دیکھ کر پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آجاتی۔ وہ تمام کو بخشش دیتا ہے۔ یہی اس کی کبریائی ہے۔ مسجد خیف تک راستہ بند ہے۔ حجاج زیادتر خیموں میں ہی رہتے ہیں۔ ان کو اپنی گمشدگی کا خطرہ رہتا ہے۔ ان کا کھانا، نماز و دیگر ضروریات خیموں میں ہی پوری کی جاتی ہے۔ منیٰ، مزدلفہ، عرفات میں خیموں کا بہترین انتظام ہے ائیر کنڈیشنر ٹھنڈی ہوا میں نیچے قالین بچھی ہوئی ہے۔ میں اپنے خیمے کی تلاش میں سرگرداں رہا، پھر ایک گھنٹے کے بعد پانے میں کامیاب ہوگیا۔ حاجی مجید صاحب اور میں کمرے سے روٹیاں، قربانی کا گوشت تیار کر کے لائیے۔ بارہ بجے کھانے کے بعد سو گئے۔ انڈونیشیا کی زیادہ تر لڑکیاں کم عمری میں حج کرنے کے لیے

آتی ہیں، میں نے چند ایک سے دریافت کیا۔ آپ کم سنی میں اور زیادہ لڑکیاں ہی آتی ہیں، کیا وجہ ہے۔ انہوں نے بتایا ہمارے ہاں رسم پہلے حج کریں گے اور پھر شادی کریں گے۔ اسی لیے آپ کو لڑکیاں زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ ایرانی ہمیشہ گروپ میں چلتے ہیں تین چار سو کے قریب ایک گروپ ہوتا ہے چھوٹا مائیک اور جھنڈا ہر گروپ کے پاس ہوتا ہے ایک دو اپنے گروپ کی ترجمانی کرتے ہیں تلبیہ اور ایک نعرۂ تکبیر اکثر اوقات سنائی دیا۔ ''لا شرقية ولا غربية اسلامية''۔

شکر وار تھا۔ ہم خیموں سے باہر نہ گئے، پہلے دن کی تھکاوٹ نے چور کر دیا تھا، چلنے سے قاصر تھے۔ آج صرف تینوں جمرات کو کنکریاں مارنی تھی۔ یہاں جمعہ نہیں ہوتا ہے۔ تمام نمازیں قصر کے ساتھ ادا کی، تلاوت و نوافل وغیرہ میں مصروف رہے۔ میرے ساتھی حاجی حنیف و مجید مرزا صاحب جو آج کل عرب میں مقیم ہیں جن کے ہاں میں قیام پذیر ہوں انہوں نے سلفیت اختیار کی ہے۔ ماضی ان کا صرف بدعات کی ترجمانی کرتا تھا اور یہاں تک وہ اہل توحید والوں سے ملنا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ اب حاجی صاحب اہلحدیث یا توحید کے مسائل میں الجھے ہی رہتے ہیں۔ عصر کے بعد ہم جمرات کو کنکریاں مارنے کے لیے چل پڑے۔ خیمے سے نکل کر پھر وہی لاکھوں لوگوں کا جمِ غفیر پورے منیٰ میں پھیلے ہوئے سفید کفن پہنے ہوئے ابھی زیادہ نظر آرہے تھے حالانکہ احرام قربانی اور سر منڈانے کے بعد اتارنے کا حکم ہے۔ لیکن بیت اللہ کے شیدائی، اللہ کے حکم کی تعمیل اسی میں کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں۔ اللہ اسی طرح راضی ہو جائے۔ جوں توں ہم ہجوم میں آگے بڑھتے گئے ہم نے باری باری تینوں جمرات کو کنکریاں ماری۔ ہمیں

آسانی تھی کیونکہ کوئی ضعیف مرد و زن ہمارے ساتھ نہ تھا۔ جوانی میں ہر کام کرنا چاہیے۔ حج ہر صورت میں جوانی میں ہی کرنا چاہیے، واقعی حج کے دوران پتہ چلتا ہے کہ صحت اور جوانی دونوں مل کر حج کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ عورتیں دھکے سے دور تک چلی جاتی ہیں۔ لوگ آج بھی چپل وغیرہ پھینک رہے تھے اور کہہ رہے تھے لعین بد بخت، ذلیل شیطان، پھر تو اسی غلطی کرے گا حجاج اپنی تمام حسرت یہاں پورے کرتے ہیں، جب کہ گناہ خود کرتے، اللہ نے انسان کو فعل مختار اس لیے بنایا ہے اور شیطان صاحب ایسے گنگناتے ہیں۔

حیف آتی ہے مجھے اس حضرت انسان پر
کارِ بد یہ خود کرے لعنت کرے شیطان پر

کنکریاں مارنے کے بعد دور سے رخ کعبہ کی طرف کر کے دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔ یہاں پر بھی لوگ گریہ زاری میں مصروف تھے۔ میں نے منیٰ کے چوٹیوں پر جانے کی خواہش ظاہر کی دور تک گیا اور وہاں سے ہوتے ہوئے شاہ عبداللہ کے محل کے قریب سے گذر رہا، پتہ چلا یہاں کے شاہ خاندان کے ایک سو سے زیادہ محل پورے عرب میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر محل میں ایک سو سے زیادہ کمرے ہیں۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انہوں نے کھربوں روپیہ صرف محلوں پر خرچ کیا ہے۔ تعجب ہوتا ہے جب کہ پوری قوم اَن پڑھ ہے صرف مادری زبان عربی جانتے ہیں اور کچھ نہیں۔ تعلیم کے لیے عرب قوم نے کچھ نہیں سوچا۔ یا توجہ نہ دی بلکہ دولت کو مکان، عورت اور عیاشی کے لیے خرچ کیا ہے۔ اور عربی اقرأ باسم ربك الذی کو بھول گئے۔ دو سو سال قبل تک عربی وہی قبائل تھے جو صحرا اور ریگستانوں میں رہ کر صرف بکریاں اور

اونٹ پالتے اپنا گذارہ کرتے، ان ہی عربیوں کو جب علم کے ذریعہ پتہ چلا زمین کے نیچے ذخائر ہیں تیل، سونے کی کانیں ہیں۔ تو اسی کھوج نے ان کو دنیا کا مالدار اور کھرب پتی بنایا۔ جس علم کو بعد میں وہ اس تیزی سے نہ پھیلا سکے۔ جو اُن کو کرنا تھا وہ نہ کیا۔ اسی طرح ہندوستان میں مغل خاندان نے شاہی خزانے کو فنون اور تعمیرات پر خرچ کیا اگر چہ اس دور میں اس کی اہمیت اور ضرورت تھی۔ اس کے ساتھ اگر انہوں نے تعلیم کی طرف توجہ دی ہوتی تو کم سے کم آج کے ہند، پاک، بنگلہ دیش، افغانستان گرد ونواح کے ملکوں نے امریکہ سے زیادہ ترقی کی ہوتی تو آج سپر پاور امریکہ اور دوسری طاقتیں نہ ہوتی۔ بلکہ یہی ہوتی مجھے ایسا لگا۔ عرب قوم آج بھی جہالت کے دور سے گذر رہی ہے۔ اگر قرآن پر عمل کر کے اس کو بروئے کار لایا ہوتا پھر بھی عرب دنیا نے کافی ترقی کی ہوتی۔ میں محسوس کر رہا تھا جب عرب کے سپاہ ملازمین، مدرسین، طلباء، سکاوٹس اور بلدیہ کے کسی ملازم سے انگریزی میں بات کرتے تھے۔ ان کا جواب تھا 'لا تکلما' انگریزی یا اردو۔ جب بیس پچیس منزلہ ہوٹل اور بادشاہوں کے محلوں پر جو رقم خرچ کی گئی ہے۔ اگر وہ تعلیم پر خرچ کی جاتی۔ تو یقین جانیے اہل عرب آسمان کی بلندیوں کو چھوتے۔ اگر آج بھی عربی بریک فاسٹ اور ڈنیر کے لیے اپنے جہاز پر بیٹھ کر دوسرے ملک میں کر کے واپس آئیں، تو کوئی بڑی بات نہیں۔ کہ اگر توجہ دی جائے یہ نبیوں کی رہائش گاہ والا ملک دنیا کا طاقت والا ملک بن سکتا ہے۔ بیان سے عزیز یہ مارکیٹ دیکھنے کا موقع ملا۔ بڑی ہر دلعزیز اور خوبصورت ہے۔ صفائی عرب کا شیوہ ہے۔ سڑک راستے گلیاں مکہ ہو یا مدینہ چاروں طرف ستھری اور پاک بھی۔ کوئی گندگی نظر نہ آسکی۔ پلاسٹک کے بڑے بڑے ڈرم اور تھیلے آپ کو ہر طرف

لٹکے ہوئے نظر آئیں گے۔کوئی بھی چھلکا کا غذ واشیائے خوردنی ہو وہ ان تھیلوں میں ڈالی جاسکتی ہے۔عربی صفائی سے جی رہے ہیں۔

سنیچروار حج کا آخری دن تھا۔آج ہم اس مقدس فریضے سے فارغ ہورہے تھے۔ہم نے خیمے میں ہی نماز صبح ادا کی۔اور ناشتہ مرغی اور نان کے ساتھ کیا، پھر کچھ دینی مسائل میں مصروف ہوگئے۔اتنے میں ایک پشاور کا بزرگ خیمے میں وارد ہوا۔اور تین گھنٹے وہ بھی ہمارے ساتھ دینی مسائل میں مصروف رہا۔اور کچھ روحانی بزرگ لگتا تھا اس کے چہرے پر بھی جلال و جمال عیاں تھا۔میں اس کے ساتھ مصروف رہا۔یہاں تک نماز ظہر کی اذان ہوگی۔ ہم نے نماز خیمے میں ہی ادا کی، بعد نماز چل پڑے۔اب منیٰ میں آخری سانسیں تھی۔ہم سیدھے مسجد خیف میں جا پہونچے۔اس میں لگ بھگ ایک لاکھ لوگ نماز ادا کرتے ہیں۔خواتین کے لیے علیحدہ انتظام نماز کا رکھا گیا ہے اور اس حصے میں کوئی بھی مرد نہیں جاسکتا ہے۔میں نے چند نفل مسجد میں ادا کیے۔یہاں سے نکل کر ہم جمرات کی طرف چل پڑے۔پہلے چھوٹے جمرات کے پاس پہونچے، کنکریوں کی شرط پوری کی سخت بھیڑ تھی۔کامیابی سے واپس آگئے۔اتنے میں جمرات وسطیٰ میں کنکریوں کی رسم پوری کی، میں نے اپنی چپل ہندوستان سے خریدی تھی یہاں کھودی۔کسی اور کی مل گئی۔اس بڑی بھیڑ میں چپل کو خیر آباد کرکے جان بچائی، روندے جانے کا امکان پیدا ہوگیا تھا۔ لیکن اللہ نے اپنی ذرہ نوازی سے بچایا۔بھیڑ سے بڑی مشکل سے نکل کر بڑے شیطان کے پاس پہونچا، اس کا کام تمام کردیا۔اب کیا دیکھتا ہوں۔دو تین خواتین کو روتے ہوئے دیکھا، اس قدر رورہی تھی کہ شائد ان کا خاوند یا اور کوئی کھوگیا ہے۔یہ نائیجیرین لگتی تھی میں ان کی کوئی مدد نہ کرسکا۔جمرات سے

فارغ ہو کر حج کی تمام رسمیں ختم ہوگئی تھی۔ اور حج مکمل ہوگیا تھا، قبولیت کس خوش نصیب کو ملے گی۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اب ہم آزاد تھے، جس مقصد کے لیے آئے تھے وہ پورا ہو چکا تھا۔ سوئے حرم اب چہل قدمی میں سفر اختتام پذیر ہو رہا تھا۔ اتنے میں ایک سبز گھاس کا لان، یعنی میدان آیا، جہاں پر ہم نے نماز عصر ادا کی۔ مجھے میرے ساتھیوں نے ایک ہوٹل کی طرف اشارہ کروایا۔ اور کہا کہ یہاں سبیل کا کام ہوتا ہے اور یہ بھی کہہ رہے تھے۔ اس کا مالک ایک لاکھ مرغی اللہ کی راہ میں ہر روز دوران حج تقسیم کرتا ہے۔ میرے ساتھی سبیل کی کوئی چیز نہ کھاتے تھے۔ ایک اہلحدیث اور وہاں کے مقیمی ہونے کے علاوہ وہ خود کمائی بھی کرتے تھے۔ مکہ کے قیام کے دنوں میں انہوں نے ہی نہیں بلکہ میں نے بھی ایک چیز سبیل کی قبول نہ کی۔ خیر ہولے ہولے سفر جاری رہا۔ غالباً ایک گھنٹہ کے بعد ہم حرم میں پہونچ گئے۔ اذان مغرب ہو رہی تھی بعد نماز نفل شکرانہ حج حرم میں ادا کیے اور عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد کمرے میں پہونچے۔ کھانا کھایا، اور نیند کی آغوش میں چلے گئے، اس طرح سے اس عظیم فریضے سے آج فارغ ہوگیا تھا۔ اللہ قبول فرمایئے۔

آج اتوار تھا۔ بعد نماز فجر گیارہ بجے تک سوئے رہے ناشتہ کے بعد۔ حاجی صاحب مجھے کچھ اہلحدیث ساتھیوں کے پاس لے گئے۔ ان سے بھی کچھ مسائل پر گفتگو میں شریک رہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد میں اور حاجی مجید صاحب سامان کی تلاش میں سرگردان رہے۔ واپسی پر مسجد ابوبکر میں نماز عصر اور مغرب ادا کی۔ یہ مسجد خانہ کعبہ کے قریب ایک ہوٹل میں ہے جس کے اندر ساٹھ ہزار کے قریب نمازی ہر روز نماز ادا کرتے ہیں اور اسی مسجد کے نیچے

حضرت ابوبکر کا مکان تھا جو غالباً زیر زمین ہو چکا تھا۔ کہتے ہیں جب اس ہوٹل کی تعمیر شروع کی تو اس کی بنیاد بار بار گر جاتی تھی۔ آخر کوئی بزرگ خواب میں آئے، انہوں نے فرمایا یہ یہاں مسجد ساتھ رکھو۔ اس کے بعد اس کی بنیاد ٹھہری، پھر ہوٹل بننے کے بعد۔ دوسری اور تیسری منزل پر بہترین خوبصورت آراستہ کی ہوئی مسجد شریف رکھی گئی۔ مجھے سب سے خوبصورت مسجد مکہ شریف میں یہی لگی۔ مکہ ہو یا مدینہ مسجدیں اتنی آراستہ ہیں کہ نمازی کا مسجد میں دل لگ جاتا ہے اور وہ تن من سے نماز کی طرف رجوع رہتا ہے۔ اللہ نے عربوں کو دنیاوی دولت سے خوب مالا مال کیا ہے اور وہ مسجدوں پر کروڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ پھر اسی وجہ سے دنیاوی طور پر مالا مال دکھائی دیتے ہیں مسجد سے باہر نکلنے کا جی نہ چاہا۔ طواف کی لالچ باہر نکال لائی۔ طواف کرتے کرتے ایک عورت جو مصری یا ایرانی تھی۔ زور سے کسی کو کہہ رہی تھی، حرامی حرامی شاید واقعی کسی حرامی نے اس کے ساتھ چھیڑ نہ کی ہو، مجھے اس کے غصے اور لفظوں سے ایسا ہی لگا، کیونکہ اس وقت بھی بہت بڑا مجمع تھا۔ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ میں طواف کرتے کرتے اکثر قرآن کی تلاوت میں ہی مصروف رہتا تھا، اس لیے آگے پیچھے کی کوئی خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔

سوموار منگلوار دونوں دن کمرے سے حرم تک ہی مصروف رہا۔ نمازیں حرم میں ادا کرنے کا یہ فائدہ ہوتا ہے۔ ہر قسم کے لوگوں سے ملنے کا موقعہ ملتا ہے۔ افغانی، ترکی اور ساؤتھ افریقی حجاج کرام سے ملنے کا موقعہ ملا۔ ساؤتھ افریقہ کے لوگ بڑے دیندار، صوم صلوٰۃ کے پابند، اور سنتِ نبوی کی خوب پیروی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تمام تر تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں اور اس سے کافی متاثر ہیں۔ وہ ہندستان کو بھی دنیا کا مرکز مکہ کی طرح

مانتے ہیں۔ فخراً کہتے ہیں۔ تبلیغی مرکز کی وجہ سے ہندوستان کو وہ اعزاز حاصل ہے جو کسی اور ملک کو نہیں ہے۔ ہندوستان کو یہ سعادت صرف دین اسلام کی وجہ سے ہے۔ جو مولانا الیاس کے طریقے کو اپناتے ہیں۔ اور جس کی بنیاد میوات کے گاؤں میں پڑی تھی اور پھر اس کا صدر مرکز بنگلے والے مسجد نظام دین میں چل رہا ہے جہاں ہزاروں جماعتیں آتی ہیں اور پھر دنیا کے کونے کونے میں رسول اللہ کا طریقہ سکھانے کے لیے چلے جاتے ہیں۔ ساؤتھ افریقہ کے بیشتر لوگ ہندوستانی گجراتی ہیں، یہ گجرات سے ہجرت کر کے گئے اور ساؤتھ افریقہ میں پناہ لی۔ بڑے تاجر پیشہ امیر لوگ ہیں۔ میں نے مسلمانوں کی تہذیبی، سماجی اور تعلیمی حالت کے متعلق معلومات حاصل کی۔ یہ ڈربن کے رہنے والے تھے، ان کی عورتیں باپردہ، باحیا اور خوب رو ہوتی ہیں۔ میری ان سے انگریزی میں بات چیت ہوئی۔ اور میری معلومات میں خوب اضافہ ہوا۔ اس طرح سے چند ایک نے مجھے ڈربن آنے کی دعوت دی۔ میں ان کے اخلاقی طریقے سے کافی متاثر ہوا۔ اس کے بعد میں طواف میں مصروف ہو گیا۔ روحانی سکون و مسرت ملتی ہے جب کعبہ کے خوشنما پتھروں کو دیکھو اور چومو تو عجیب سی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور ایسا لگتا ہے انسان خدا کے قریب ہو گیا ہے۔ میں نے معلم سے جدہ جانے کی اجازت نامہ دو دن کا بنا لیا تھا۔ پھر رات دیر گئے میں کمرے میں حاضر ہوا۔ حاجی حفیظ بٹ صاحب نے ایک میگزین مجھے پڑھنے کے لیے دیا۔ جو اردو میں چھپا ہوا تھا۔ ایڈرس یہ تھا۔ ناشر ہشام علی حافظ ایڈیٹران چیف محمد المختار ایقال ایس آر پی سی بلڈنگ مدینہ روڈ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۴۰۲ تھا۔ بڑا نقش نگار سے آراستہ اور کچھ علمی جھلکیاں عیاں، معیار سے خالی نہ تھا۔ لیکن ہندوستانی میگزین نہ تھا۔

قدرے اچھا لگا۔ میں نے ساتھی سے مانگا لیکن انہوں نے بھی کسی اور سے لیا تھا۔ جو اس کو واپس دینا تھا۔

بدھوار جدہ کیسے ۸ بجے نزد حرم ٹیکسی والے سے بیس ریال پر مدینۃ حجاج ائیر پورٹ پہونچانے کے لیے طے ہوا۔ ٹیکسی میں ایک سوڈانی ڈاکٹر تھا۔ قد اونچا، رنگ کالا، جسم موٹا، محمد احمد کے نام سے منسوب اور جدہ میں بحیثیت ڈاکٹر تعینات تھا۔ عربی بول چال سے میں اس کو مطمئن نہیں کرسکا۔ آخر اس نے انگریزی میں بولنا شروع کیا۔ قدرے خوش اخلاق بھی تھا۔ میں نے سوڈان کی ثقافت اور جغرافیہ کی بات معلوم کرنی چاہیے۔ اس نے وہاں کے سبزہ زار اور زراعت سے بھرے ہوئے فصلوں معدنیات کے ذخائر سے بھرے ہوئے ملک کی معلومات کرادی۔ اور یہ بھی بتایا کہ یمنی حج پر صرف پانچ سو ریال کے قریب خرچ ہوتے ہیں، سمندری جہاز کا کرایہ دو سو ریال اور تین سو ریال بقیہ اخراجات پر۔ اس نے کشمیر کے حالات کے بارے میں جاننا چاہا۔ میں نے چند لفظوں میں حالات واقعات سامنے رکھ دیئے۔ ڈرائیور کسی اور راستہ سے چل رہا تھا۔ راستے میں درے، وادیاں، پہاڑ، عمارتیں اور بہت سی مارکٹیں دیکھنے کو ملی۔ اب سوڈانی اپنے مقام پر پہونچ کر ہم سے الوداع ہو رہا تھا۔ ہم چلتے چلتے جدہ کلو ۲ پر پہونچ گئے۔ ڈرائیور نے آگے جانے سے انکار کیا۔ میں نے کرایہ دینے سے انکار کیا، آخر اس نے مجھے کرایہ لئے بغیر اتار دیا۔ اب ڈرائیور غلط تھا کہ میں جدہ پہونچنے کے لیے میرے ساتھ یہ طے کیا تھا۔ اس لیے اب میری سوچ بدل گئی اور فیصلہ کیا۔ پہلے آئی ڈی بی کے دفتر میں جایا جائے۔ ایک ٹیکسی والے سے دریافت کیا، اس نے پانچ ریال مانگے۔ میں جان گیا یہ بالکل قریب ہے۔ اور ایک سے دریافت کرنے پر پتہ

چلا کہ کبری پار کرو، آگے دفتر ہے۔ میں نے ویسا ہی کیا، آخر تین منٹ کے بعد میں اس عمارت کے ایک کونے میں پہونچ ہی گیا۔ یہ اسلامک ڈیولپمنٹ بنک جدہ کی بیس منزلہ عمارت کتنی دلکش اور خوبصورت پچانوے ملکوں کے جھنڈے باہر لہراتے ہوئے سیاحوں کا استقبال کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مختلف رنگوں میں اپنے ملک کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس کے بہت سے گیٹ ہیں عام لوگوں کو اندر جانے کا پتہ ہی نہیں چلتا، میں سیدھے ایک گیٹ پر چلا گیا۔ وہاں Reciption نے میرا پاس لے لیا اور اپنے پاس مجھے دے دیا۔ اور اس نے مجھے چودہ منزلہ عمارت کے اندر کمرہ نمبر ۲۰ ڈاکٹر سلمان شمسی کو ملنے کے لیے کہا۔ میں لفٹ سے وہاں پہونچا۔ وہاں پہونچنے پر پتہ چلا وہ افریقہ کے دورے پر چلے گئے ہیں۔ یہاں ایک عربی انجینئر ملا۔ اس نے ای ڈی بی کی مشکلات کا نقشہ کھینچ کر میرے سامنے رکھ دیا۔ طویل گفتگو کے بعد اس نے اپنا کارڈ اور چند کتب تحفہ کے طور پر دی اور اپنی بے بسی پیش کی۔ میں یہاں سے نکل کر مسٹر معراج جو ڈاکٹر سلمان شمسی کے سیکرٹری تھے یہ پاکستان سندھ کے رہنے والے تھے، کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ انہوں نے مرسل کو چائے لانے کے لیے بھیجا، وہ کالی چائے لے آیا، ہم نے نوش کی۔ اتنے میں چند اور لوگ اس کمرے میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے مجھ سے کشمیر کے حالات کو جاننا چاہا۔ اس نے یہ بتایا کہ کشمیر کے لوگوں کو نمازیں پڑھنے اور حج نہیں کرنے دیتے ہیں۔ ہمیں پاکستان میں بتایا جاتا ہے۔ آپ کیسے حج کرنے آئے ہیں۔ میں نے کہا یہ سب غلط ہے، دیکھو میں علم بھی پڑھتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں اور حج کے لیے بھی آیا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اتنے میں چند انڈونیشیائی اور عربی آئے۔ ایشیا کے وظیفوں (Scholarship) کی بات

چھیڑ دی۔ جو پڑھنے کو دیا جاتا ہے۔ میں نے کہا ہماری ریاست کا کتنا حصہ ہے۔ اس نے بتلایا ہم ہر سال وہاں وظیفہ مہیا کرتے ہیں۔ اس نے مجھے بھی چند فارم دیئے اور انکے صدر دفتر دلی کا پتہ بتلایا، یہ تمام بھر کر ان کے ذریعے ہمیں بھجوائیں۔ میں نے اس کو اپنی آرگنائزیشن کے تحت بھیجنے کے لیے کہا۔ اس کا جواب نفی تھا۔ میں نے معراج صاحب سے کہا، میں اس عمارت کی آخری منزل پر جاؤں گا۔ انہوں نے مرسل کو کہا ہے۔ بیس منزلہ عمارت کے اوپر لے آیا، مرسل میرے ساتھ تھا، یہاں پر میں نے تمام جدہ کا نظارہ کیا۔ نہایت ہی خوبصورت شہر چاروں طرف دکھائی دے رہا تھا۔ نیچے سڑک پر گاڑیاں ایک کھلونے کی مانند دوڑتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ اس منظر کو دیکھ کر میں سوچ رہا تھا۔ آخر یہ دنیا کب تک پھیلتی رہے گی۔ ایک دن سکڑ کر بھی فنا ہوجائے گی۔

یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں اذان ظہر کانوں میں سنائی دی۔ شہر کا جی بھر کر نظارہ کر چکا تھا۔ ہم لفٹ کے ذریعے سیدھے مسجد میں پہونچ گئے۔ مکہ اور مدینہ کے جتنے بڑے بڑے دفاتر میں ہر دفتر کے اندر ہی بہترین خوشنما مسجد تعمیر ہے۔ جہاں گرم اور سرد دونوں پانی میسر ہیں۔ مسجدیں اس قدر آراستہ ہیں باہر نکلنے کا جی نہیں آتا ہے۔ دنیاوی معاملات کے ساتھ اُخروی فکر اور یادیں بھی چلی آرہی ہیں۔ اللہ کے دین کی صدائیں دفتروں کے اندر بھی بلند ہوتی ہیں۔ میں نے وضو کیا اور مسجد میں داخل ہوگیا۔ بڑی دلکش، خوبصورت اور مخملیں چاروں قالینوں سے آراستہ ہے۔ جس میں کم سے کم دو ہزار کے قریب نمازی سماسکتے ہیں۔ نمازی خوشی خوشی نماز کی طرف جھوم رہے تھے داخل ہوتے ہیں۔ میں جائزہ لے رہا تھا۔ دنیا کے ملکوں سے آئے ہوئے

مسلمان آفیسر جو اس دفتر میں ملازمت کرتے ہیں تمام ہی ایک صف میں کھڑے ہو گئے۔ بقول اقبال:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

میں اب اس دفتر سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس لیے جلدی باہر نکلا اور اگلی منزل کی طرف نکل پڑا۔ راستے میں ایک گرلز سکول بھی آ گیا۔ چھٹی ہو رہی تھی دل تو چاہتا تھا اندر جاؤں حالات واقعات کا مطالعہ کیا جائے۔ وقت کی قلت اور اجازت لینی تھی۔ اس لیے میں آگے بڑھا، گیٹ پر دیکھ رہا تھا سینکڑوں گاڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ اور تمام لڑکیاں برقعہ پوش تھی۔ والدین یا نوکر گاڑیوں میں بھر کر بچوں کو لے جا رہے تھے۔ سکول کے ارد گرد رہنے والی لڑکیاں پیدل برقعہ میں جاری تھی، اندر کوئی بھی ملازم مرد نہ تھا۔ صرف خواتین ہی کام کر رہی تھی۔ اسی طرح سے ایمان کی حفاظت بھی ہوتی ہے اور حیا کا تصور برقرار رہتا ہے۔ ہمارے ہندوستانی کلچر میں سکول لڑکیوں کا پڑھانے والے مرد سکول لڑکوں کا پڑھانے والی عورتیں۔ ہندوستانیوں کی طرح ان بچوں کو بھی کتابوں کا بڑا بنڈل لٹکا ہوا تھا۔ بڑی گٹھڑی اٹھائے ہوئے جا رہے تھے۔ یہ گورنمنٹ کا سکول تھا۔ جس میں ہزار سے زائد طلباء زیر تعلیم تھے۔ میں جلدی سے کلو ۲ پر جا کر کھڑا ہوا اور ڈرائیوروں سے مدینۃ الحاج کے لیے پوچھنے لگا۔ ایک پاکستانی ڈرائیور آن لگا، اس نے بیس ریال مانگے، جب کہ پہلے ڈرائیوروں نے دوگنی رقم مانگی تھی۔ یہ تبلیغی جماعت کا آدمی تھا، گاڑی میں بیٹھا۔ کیسٹ بھی تبلیغی مشن کی لگی ہوئی تھی۔ بڑی موثر بات تھی، پاکستان کا کوئی عالم پیش کر رہا تھا۔ ایک گھنٹہ کے بعد میں مدینہ الحاج ائیر پورٹ پر

پہونچ گیا۔ میں نے داخلہ لیا اور اپنے سامان یعنی پونجی کی تلاش کرنے لگا۔ اتنے میں اس کا عملہ کھانا کھا رہا تھا۔ انہوں نے مجھے بھی اپنے دستر خوان پر بٹھا دیا۔ ہم آٹھ افراد ایک ہی دستر خوان پر تھے چاولوں کا ڈھیر، مرغی، فروٹ اور نہ جانے کیا کیا تھا، اکٹھے کھایا۔ عربی تہذیب میں برابریت ہے۔ امیر، غریب، بادشاہ، نوکر، ایک تھالی ایک ہی دستر خوان پر بیٹھتے ہیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مسٹر حسین اور ایک دو ساتھی میرے ساتھ سامان کی تلاشی میں لگ گئے۔ یہاں ڈھائی ہزار کے قریب نگ تھے۔ جو حجاج کورہ گئے ہیں، مجھے ایک اٹیچی بتائی گئی۔ جس میں سونے کے پانچ چھ سو گرام کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ اور کہہ رہے تھے یہاں محفوظ رہیں گے۔ اگر یہاں کوئی نہ آیا تو ہم ان کو اپنے اپنے ملکوں میں بھجوادیں گے۔ واقعی عرب قوم خیانت نہیں کرتی ہے۔ دین داری سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ میں نے دیکھا اگر ان کو لاکھوں روپیہ بھی ملے گا، وہ بھی کوشش کر کے گمشدہ والے کو لوٹا دیں گے۔ دو گھنٹے کی تلاشی کے بعد مجھے پھر مایوس واپس ہونا پڑا۔

باہر نکلا مدینۃ حجاج میں دیکھا، حجاج کرام کے قافلے، پاکستانی، ہندوستانی، ملیشیائی، افریقی اور دیگر ملکوں کے فریضہ حج سے فارغ ہو کر دامان رحمت سے سرشار ہو کر رحمتوں، برکتوں کا خزانہ لے کر اپنے گھروں بستیوں ملکوں کا رخ کیے ہوئے اپنی فلائٹ کا انتظار کر رہے ہیں۔ رحمت کے دریا سمیٹ کر اپنی بستی، محلہ، گھر اور ملکوں میں جا کر تقسیم کریں گے مجھے بھی دل اُچاٹ ہوا اندر سے ایک پاکستانی نے اپنی گاڑی میں باہر لایا۔ یہاں سے ایک بڑی گاڑی میں بیٹھ گیا، جس نے کلو دو تک دس ریال میں لے آیا۔ یہاں سے تھوڑا پیدل چل دیا، اذان مغرب ہو رہی تھی مجھے پیاس لگی تھی، مسجد

میں پانی کا گلاس دھورہا تھا۔ ایک عربی کہہ رہا تھا۔ ''ھٰذا حرام کل مومنون اخوہ'' دوسرے نے بلایا اور کہا گلاس کیوں دھویا۔ یہ غلط ہے۔ میں نے اعتراف کیا اور کہنے لگا اسلام میں برابری ہے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ واقعی میں غلطی پر ہوں کیونکہ میں ہندی ہوں، اس لیے میرے لیے میرا طریقہ ٹھیک ہے کیونکہ ہندوستان میں ہندو مسلم سکھ عیسائی رہ رہے ہیں۔ یہاں سے پھر کلو دس پر پہونچا ایک گھنٹہ کی مسافت تھی۔ اتنے میں ایک ڈرائیور کہہ رہا تھا، مکہ مکہ عشرہ ریال میں بھی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ چار سواریاں اور تھی۔ دو یمنی، ایک ترکی، ایک سیریا کا یہ وہاں کسی فرم میں کام کرتے تھے۔ ایک گھنٹے کے بعد اس نے حرم شریف کے پاس جا کر اُتارا۔ نماز عشاء کے بعد رات دس بجے کمرے میں پہونچا، ساتھی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ اس طرح مکہ سے جدہ کا سفر دو دن کے بجائے ایک دن میں ختم ہوا۔

ویروار: آج غار حرا دیکھنے کے لیے چل پڑے۔ مسٹر حفیظ بھٹی، ماسٹر رزاق اور میں نے پندرہ ریال ٹیکسی والے کو دیئے اس نے جبل رحمت کے دامن میں جا کھڑا کیا۔ یہاں سے تینوں ہاتھ میں پانی کی بوتلیں لیے ہوئے چل پڑے، آگے دور ماسٹر صاحب کے ایک شناسا جو پونچھ کا رہنے والا ہے ایک دوکان چلا رہا تھا۔ اس نے ہمیں پانی پھر چائے پیش کی۔ میں نے یہاں سے شمال مشرق کی طرف نگاہ ڈالی۔ تو وادی جلیل دکھائی دی۔ بڑی خوبصورت وادی، سبزہ زار، درخت دور تک دکھائی دے رہے ہیں۔ ہم چڑھتے جا رہے تھے، پونچھی بھائی کرینڈی لیے ہوئے راستے میں بیٹھے مستری کی کمر بندی لیے ہوئے سٹِپ ایک پھوڑی بنانے کے لیے زائرین سے ہزاروں ریال وصول

کرتے ہیں تین چار سٹِپ پر ایک مینہ تک بیٹھے رہتے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا حج کس کا نام ہے لوگ طرح طرح کے ہوتے ہیں کچھ صرف اللہ کی رضا و خوشنودی کو حاصل کرنے کے لیے حج ادا کرتے ہیں۔ کچھ سیر و سیاحت کی وجہ سے اور کچھ تجارت و کاروبار کی وجہ سے کچھ پیٹ پالنے کے لیے بھیک بھی مانگتے ہیں۔ اللہ نے اپنے فیصلے ہر ایک کے لیے رکھے ہیں۔ بڑے عجیب لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ کو کون سی ادا پسند ہے وہ غفور و رحیم ہے۔ کس طرح بخشش کے سامان کرے۔ اسی لیے پانچ لاکھ حجاج سے ایک کا قبول کرتا ہے، باقی پانچ لاکھ کو ایک کی وجہ سے بخش دیتا ہے۔ دھیرے دھیرے ہمارے قدم آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ گرمی کی شدت تھی، آگے چھوٹی چھوٹی دکانیں ڈالے ہوئے کچھ لوگ پانی رکھے ہوئے بیٹھے ہیں۔ عرب میں اللہ کی برکت ہے، ایک ڈھیلے پر جو بیٹھ جائے حج کے موسم میں وہ ضرور ایک دو سو ریال دن کا کما لیتا ہے۔ اگر عملہ 'بلدیا' کے لوگوں کی نظر نہ پڑے، ہمارے ساتھ کچھ پاکستانی لوگ بھی چل رہے تھے۔ تعارف کرنے کے بعد انہوں نے پاکستان کی تعریف شروع کی۔ پہلے میں خاموشی سے سنتا رہا، پھر میں نے کہا کیا یہی اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ جہاں مسجدوں میں نمازیوں کو قتل کیا جاتا ہے، جہاں عورتیں بے پردگی اور بے حیائی میں پرورش پا رہی ہیں، جہاں کسی کی بھی مال و جان محفوظ نہیں ہے۔ وہ کچھ اور بگڑ گیا، میں ملکی جذبات کی بناء پر برجستہ جواب دیتا رہا۔ یہاں تک کہہ دیا۔ ابھی پاکستان، پچاس سال تک ہندوستان کے مقابلے میں نہیں آسکتا ہے۔ اس کو ناگزیر لگا۔ میں نے بات کو بدلتے پوچھا آپ کا شغل کیا ہے۔ پتہ چلا وہ پاکستان کی فوج سے ریٹائیر ہوا ہے۔ چلتے چلتے پندرہ منٹ کے بعد ہم غار حرا کے اوپر پتھروں کا چٹیل چھوٹا سا

میدان تھا وہاں پہنچ گئے۔ میرے ساتھی یہاں ہی بیٹھ گئے اور میں آگے ہی بڑھا اور پہاڑی کے منہ کے بل نیچے اُترا اور جا کر اس مقام پر پہونچا جہاں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گذر کر غار حرا میں جاتے تھے۔ دونوں پہاڑیوں کے درمیان میں جسم کو رگڑ لگا کر پچیس قدم گذر کر وہاں پہونچے جہاں پر دو پہاڑیاں جڑی ہوئی ساڑھے چودہ سو سال قبل اللہ کے حکم سے کھڑی غار بنائے ہوئے ہیں جس کو غار حرا کہتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں ہی کفار مکہ سے تنگ آکر پناہ لیتے تھے بلکہ ذکرِ خداوندی میں مشغول ہو جاتے اور دو تین دن کے بعد واپس آتے۔ ستو پانی کچھ روٹی ساتھ لاتے، جب وہ ختم ہوتا۔ پھر واپس جاتے یہاں سے تمام مکہ شہر خانہ خدا سامنے نظر آتا ہے تقریباً تین سو کلومیٹر تک چاروں طرف پہاڑوں کا سلسلہ، وادیاں سبز درختوں کے باغ دکھائی دیتے ہیں۔ وادی فاطمہ، وادی شریا، مسجد عمراہ، جبل نور، عزیزیہ، وادی جلیل، وادی سنی اور بہت سی وادیاں دور تک دکھائی دیتی ہیں۔ میں محسوس کر رہا تھا، یہی تو وہ مقام ہے جہاں پر حضور کے پائے مبارک سے لے کر جسم مبارک کو ان پتھروں نے دیکھا، بٹھایا، کتنے خوش نصیب ہیں یہ پتھر۔ یہاں پر عرب کے جہلاء سے تنگ آکر حضور چار چار دن فاقہ کشی میں گذارتے۔ کبھی ستو، پانی اور کھجور پر گذر اوقات کرتے۔ کبھی کبھی حضرت عائشہ و خدیجہ یہاں ہی تشریف لاتی، حضور کی خدمت میں وہ ستو چائے کھجور دے جاتی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ جگہ اتنی پسند آئی تو قرآن مقدس کا نزول بھی اسی غار میں ہوا۔ جبرئیلؑ نے کہا پڑھ۔ اقرأ باسمك ربك الذی خلق۔ آج بھی لگ رہا ہے رحمت ہی رحمت ہے۔ قرآن مقدس کا نزول سرکار مدینہ کی خدمت میں ہو رہا ہے۔ آیت اقراء سے شروع ہو کر سورۂ والناس مدینہ میں جا کر ختم ہوئی۔ بڑا خوش نصیب

ہے وہ شخص وہ پہاڑ وہ گھر، وہ صحرا، وہ مسجد، وہ بستی، وہ ملک جہاں پر قرآن کو بذریعہ جبرئیل امین ان جگہوں پر نازل کیا گیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینے میں جمع رکھ کر اُمت کے لیے ایک تحفہ آسمانی، کلام اللہ پیش کیا اور قیامت تک اسی پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ میں نے ناپاک جسم کو ان پتھروں کے ساتھ خوب رگڑ دی اور چار رکعت نماز نفل دو دو کر کے ادا کی، خوب دعائیں کی، عالم اسلام و کنبہ والوں کے لیے۔ سیر رس نظروں سے چاروں طرف مشاہدہ کیا، تسلی کے بعد باہر آیا۔ نماز ظہر ہو رہی تھی جھٹ سے شمولیت کی انہوں نے بھی دعاؤں میں حق ادا کیا۔ واپس ہولیا، اوپر آیا، حاجی شریف پونچھ کی مالدار ہستی ہیں۔ انہوں نے حجاج کے لیے اس پہاڑ پر چائے، پانی دیگر ضروریات کی چیزیں رکھی ہیں اور دن بھر حجاج کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ اگر چہ پیسے بھی وصول کرتے ہیں لیکن اس پہاڑی پر یہاں خالی بھی آدمی نہیں پہونچ سکتا ہے۔

اگر چہ ان کے پاس وافر دولت ہے عرب کے لوگ محنت نہیں کر پاتے ہیں۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا یہ جگہ ان کے قبضے میں کیسے آگئی، ہم نے بھی چاہے پانی پیا۔ یہ تقریباً ۷۵۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے یہاں پر خالی پہونچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ گرم ہوا کے تیز و تند جھونکے چل رہے ہیں۔ اور اس شیڈ میں لوگ بیٹھتے آرام کرتے ہیں۔ ہم نے دو گھنٹے کے بعد واپسی کا سفر کیا، حفظ بٹھی آدھے گھنٹے کے بعد نیچے پہونچ گئے۔ ایک گاڑی میں بیٹھ گئے، جس میں دو بنگالی، دو افغانی، دو اعرابی اور ہم دو ہندوستانی تھے۔ افغانی کے پاس ایک بوتل تھی جس پر لکھا تھا میڈ اِن انڈیا۔ میں نے فارسی میں پوچھا کتنے کی خریدی ہے۔ اس نے کہا پچاسی روپے میں جب کہ ہندوستان میں صرف

چالیس روپے میں ملتی تھی۔ مجھے بھی خوشی ہوئی کہ ہندوستان بھی باہر مال بھیجتا ہے۔ ورنہ ہندوستان غیر ملکوں کی نظر میں غریب ملک ہے۔ ادھر دھوپ کی شدت اور پھر راستے میں جام لگ گیا۔ گاڑی سے باہر نکلے ٹہلتے رہے۔ مدت کے بعد جام ختم ہوا۔ ہماری گاڑی حرم کے قریب پہونچی، عصر کی اذان گونج اٹھی۔ نماز عصر ادا کی، اس کے بعد معلم اور سفارت خانہ گیا۔ پرمیشن بنانی تھی۔ طائف جانے کے لیے واپسی پر نماز اور طواف میں عشاء تک مصروف رہا۔ عشاء کا وضو بنا کر باب اسلام کے قریب نماز میں شریک ہوا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک اجنبی شخص ملا جو کراچی میں مقیم تھا جس کا نام محمد رفیق تھا۔ جس کی عمر تیس سال کے قریب تھی، افغانستان کا رہنے والا تھا۔ آپ بیس بائیس سالوں سے کراچی میں رہ رہا تھا۔ ٹیلر ماسٹری کا کام کرتا ہے۔ میرے پاس آ کر رک گیا۔ اس کے پاس ایک گھٹری تھی جس میں اس کا زادراہ تھا۔ یہ آج مدینہ طیبہ حاضری دینے جا رہا تھا۔ اس نے اصرار کیا آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو کیا وجہ ہے۔ میں حیران تھا یہ کیسے سمجھ گیا، اس کو کس نے کہا۔ یہ کون سا علم ہے خیر میں نے اس کو اپنا واقعہ سنا دیا۔ اس نے جھٹ سے تین چار سوٹ گھٹری سے نکالے اور میرے سامنے رکھ دیئے میں نے لینے سے انکار کر دیا۔ وہ جھٹ سے بھولا میں اللہ کے ہاں کیا جواب دوں گا۔ یہ بحث چل رہی تھی اس نے ایک عمدہ سا سوٹ اور ایک بڑا رومال مجھے دے دیا۔ اور خود مدینہ کے سفر پر چل دیا، کچھ ایڈریس بھی دیا۔ میں مدینہ میں آپ سے ضرور ملوں گا۔ زندگی کا پہلا موقعہ تھا صحن حرام میں بیٹھ کر کوئی میری مدد کر رہا تھا ایسا کیوں میں اس کا حق کیسے ادا کروں گا۔ اس کے اخلاق اور دینی جذبے کو دیکھ کر میں مجبور ہو گیا۔ میں نے لے ہی لیا۔ میں اب غور کر رہا تھا کہ آج اللہ نے

مجھے مانگنے والوں میں رکھا۔ اور وہ بھی صحن حرم میں۔ میں تو حسب توفیق دینے والوں میں تھا آج اللہ نے مجھے یہاں لا کھڑا کیا ہے۔ یہ اس کی شان کریمی ہے۔ بھوکا رہا، کبھی بھیک نہ مانگی، چوری نہ کی کسی اچھی کتاب کے بغیر مانگنا نہیں آتا ہے۔ مانگوں تو کیسے مانگوں چند دنوں سے سوچ رہا تھا۔ کہ میں سرسید ہائی سکول کی زمین خرید کرنے کے لیے اس کے لیے رقم اکھٹا کروں۔ میں نے اپنے چند ساتھیوں سے بات کی انہوں نے غیر ضروری سمجھ کر اسے نظر انداز کر دیا۔ جس کی وجہ سے میں بھی خاموش رہا۔ میں گھر سے ۱۲۰ ریال لے کر گیا تھا۔ حاجی حنیف صاحب نے پانچ سو ریال قرضے کے طور سے چھ سو بیس ریال میں جدہ سے مکہ اور مکہ سے جدہ حج کا خرچہ وغیرہ تمام کر کے پھر بھی میرے پاس دو سو ریال باقی بچے اللہ کا شکر ادا کیا، بھوکا نہیں رہا۔ بھیک نہیں مانگی۔ کسی کو یہ بھی نہیں کہا میرے ساتھ کیا ہوا یا کوئی میری مدد کرو۔ اگر میری جیسی حالت کسی اور کو ہو جاتی۔ تو وہ ضرور لاکھوں روپے ان دنوں اکٹھے کرتا۔ میں نے دیکھا پونچھ کے لوگ جیب کو کاٹ کر لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اس طرح سے مال جمع کرتے ہیں۔ میرے پاس ہندوستانی سات ہزار روپیہ موجود بھی تھا۔ اس کے باوجود میں نے کنجوسی سے کام لیا۔ کیونکہ میرے کھانے اور رہنے کا انتظام حاجی مجید صاحب اور حاجی حنیف صاحب اور ان کے ساتھیوں کے ذمہ تھا۔ اس لیے اس کی مجھے کوئی فکر نہ تھی میری وجہ سے ان بھائیوں کو کافی تکلیف اٹھانی پڑی۔ اللہ ان کو اس کی جزائے خیر دے۔ شام کو کمرے میں پہونچا۔ وہاں پر حاجی خادم صاحب اور ان کے تمام ساتھیوں نے ہمارے لیے دعوت کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ بڑی لذیز دعوت تھی۔ رات کو کافی مسائل زیر بحث آئے۔ حاجی حنیف صاحب تمام ساتھیوں کو اپنے

حلقے میں لانا چاہتے ہیں۔ لیکن ایسا لگتا نہیں باقی گروپ بڑی مشکل سے بریلوی عقائد سے نکل کر توحید حلقے میں داخل ہوئے۔ کافی بحث کے بعد رات ایک بجے سوئے، حاجی حنیف صاحب نے یہ شعر پڑھا۔

قسم خدادی لوے کولوں عزرائیل نہ ڈردا
جے کر لوہا راکھی ہوئے کدے بوہار دنہ مردا

منگلوار: آج حاجی حنیف صاحب اور میں نے رابطہ عالم اسلامی کے دفتر میں دستک دی۔ حرم سے گاڑی کو صرف بیس منٹ لگے۔ دفتر میں داخل ہوئے، ایک مرسل ملا، اس نے بتایا۔ ابھی حج کی چھٹیاں ہیں۔ سنیچروار کو یہ دفتر کھلے گا۔ عمارت کا بیرونی منظر دیکھا، بڑی حسین وجمیل تھی۔ یہاں ہی ساتھ دفتر خارجہ بھی تھا۔ جلد ہی یہاں سے چل دیئے اور سیدھے پاکستانی سفارت خانہ اور پھر وہاں منیٰ میں ایک دفتر تھا۔ چھان مارا۔ یہ تمام پریشانی صرف سامان کی تلاشی تھی۔ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئی کھیت"۔

بلاوجہ مارے مارے پھر رہا ہوں۔ سامان لے جانے والوں نے سب کچھ چاٹ لیا ہوگا۔ اور میں بلاوجہ آب بھی در در کی ٹھوکریں کھا رہا ہوں۔ یہاں سے نکل کر ہم حاجی رشید وقاسم کے کمرے میں چلے گئے۔ حاجی قاسم نوشہرہ کا رہنے والا ہے۔ اس نے جھٹ سے مرغی، چاول، ٹھنڈا لایا۔ ہم نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر چائے کا دور چلا۔ اس کے بعد آزاد کشمیر کے کچھ افراد سے ملاقات ہوئی۔ جو ایک کارخانے میں کام کر رہے ہیں۔ یہاں سے رخصتی کے بعد سیدھے حرم کی راہ لی۔ پون گھنٹے کے بعد ہم حرم میں کاشانہ رسول پر پہنچے۔ آج اندر داخل ہونا چاہتا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ ایک دفعہ پہلے بھی آیا تھا

ایک عربی لڑکے نے کہا تھا۔ یہ تمام شرک ہے۔ وقت کیوں ضائع کر رہے ہو۔ میں نے جذباتی طور اس کو تین چار سوال انگریزی زبان میں کر دیئے۔ اس کا جواب نفی تھا اور عصر کی اذان کانوں میں گھونجی۔ ہم جماعت میں داخل ہو گئے۔ گرمی شدت کی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا آگ شعلے اگل رہی تھی۔ نماز عشاء تک طواف میں مصروف رہے اور بعد نماز عشاء جا کمرے میں پہونچے۔ رات ۱۲ بجے تک پھر مسائل پر بحث چلتی رہی۔

بدھوار: تقریباً حرم شریف میں گزرا۔ کچھ مخصوص لوگوں سے ملاقاتیں ہوئی۔ جرمن، نائیجیریا، سیریا، امریکی، فلسطین، کوئی موثر بات نہ تھی۔ صرف ان ملکوں کی تہذیب، کلچر، ثقافت اور نجی حال جاننا چاہتا تھا۔ اور مسلم قوم کی ستم ظریفی کی وجوہات کیا ہیں۔ میں اس کھوج میں ہر وقت رہتا ہوں۔ اگر اللہ کے دین یا بتائے ہوئے طریقوں پر صرف یہی قوم چلتی ہے۔ پھر اس کو دنیاوی طور پر اتنا رُسوا کیوں ہونا پڑا۔ جب کہ دنیاوی طور پر اس کی گرفت چاند اور ستاروں پر ہونی چاہیے تھی۔ وہ صرف تعلیم کی وجہ سے جس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا علم حاصل کرو اگر چین بھی جانا پڑے۔ اس قوم نے مسلمانوں کی میراث جو اللہ اور اس کے رسول کے فرائض و واجبات، نوافل و سنت اور اسلامی شعار اللہ کے دین کی دعوت کو غیروں کے پاس پہونچانے کا فریضہ چھوڑ دیا۔ اور مردِ مجاہد بن کر اس کا حق ادا نہ کیا تو اللہ نے اس کو غیر مسلموں کے ہاتھوں ذلیل رسوا کیا۔ آج کے مسلمانوں میں عیاشی، دولت اور عورت سوار ہے۔ ان تینوں کی اسلام میں جگہ نہیں ہے۔ عرب کی سرزمین ہی وہ سرزمین ہے اس کو وہ شرف بخشا ہے یہاں پوری دنیا کے مسلم قوم ملکوں کی ثقافت، تہذیب، مذہبی زندگی کا بخود مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے کسی

اور ملک میں جائیں وہاں ایک ہی قوم، کلچر، تہذیب ملے گی۔ اللہ تعالیٰ تمام دنیا کے مسلمانوں کو اکٹھا کر کے ان کو یہاں ملاقاتیں کرواتا ہے۔

آج شہر مکہ میں بھی کچھ لمحے گذارے۔ یہ غالباً دنیا کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ اس لیے کم وبیش ایک کروڑ مسلمان مقدس سرزمین میں آتے ہیں۔ یہاں سے سوغاتیں اٹھائے لے جاتے ہیں۔ اس لیے بیس گھنٹے مکہ کی مارکیٹ کھلی رہتی ہے۔ اوقات نماز میں مارکیٹ بند ہو جاتی ہے۔ یا کبھی شدت کی گرمی کی وجہ سے بارہ بجے سے تین بجے تک۔

ویروار: حرم کی رعنائیوں، رحمتوں اور پاکیزہ مقدس مقامات پر میری حاضری ہوئی۔ جس میں طواف بیشتر شامل رہتے تھے اور بیشتر اوقات اسی میں گذر بسر ہوتے تھے۔ میں گھر سے یہ نیت بھی کر کے آیا تھا کہ میں تعلیمی تحریک کے لیے بہت سے مالی وسائل تلاش کروں گا۔ اس کے اسباب پیدا ہوں گے۔ میرے کاغذات کے کھو جانے کی وجہ سے اور کوئی رہبر نہ ہونے کی وجہ سے اس مشن میں ناکام رہا۔ مانگنا آتا نہیں، مشنری لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ جو ایسے مشن میں شریک ہو کر عام لوگوں کو فیضیاب کرنے کے لیے راہیں ہموار کرتے ہیں۔

سرسید احمد خان کو اللہ نے بیک وقت بہت سی صفات دی تھی۔ وہ عالم، ادیب، مورخ، مصنف کے علاوہ ایک بہت بڑے سماجی رفارمر تھے۔ وہ ساری زندگی بھیک مانگتے رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے آپ کو جوتے بھی خیرات میں پیش کیا۔ انہوں نے اس کو بھی مسلم یونیورسٹی کی بنیاد میں بیچ کر لگایا۔ سرسید کے نقش قدم پر چلنے والا ہوں لیکن اس قسم کے کام کرنے کی اہلیت نہیں ہے۔

حج کے بعد میرا مقصد تھا کہ میں کچھ کروں۔ میں ناکام ہوکر کچھ نہ کرسکا۔ مایوسی کفر بھی ہے۔ اللہ تمام مسائل کا حل نکالتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر ایک پتّا تک ہلتا نہیں ہے۔ جب وہ چاہتا ہے کن فیکون۔ سب کچھ ہو جاتا ہے وہ رزاق ہے، علیم ہے خبیر ہے۔ اس کے حکم کے بغیر ایک بال بھی حرکت نہیں کرتا ہے۔ اس لیے میں سرسید تحریک کی طرح کوئی عملی کام نہ کرسکا۔ جن ارادوں کو لے کر میں یہاں سے نکلا تھا، شائد ابھی میری نیت اللہ جل شانہٗ کو پسند نہ آئی۔ نتیجتاً مجھے ایک سبق ملا۔ میرا سارا سامان کسی پونچھی بھائی کی نذر ہو گیا۔ جس میں صرف تعلیمی تحریک کے چند کاغذات تھے۔ تین سوٹ کپڑوں کے ایک بہترین شال اور تین ڈبے عطر کے جدہ ائیر پورٹ سے ہی مجھ سے تاحیات بچھڑ گئے۔ طواف زیارت ہی میں مصروف تھا۔ ایک نظر مکہ کے اردگرد کے پہاڑوں پر چلی گئی۔ ان پہاڑوں نے حرم پاک کو ایک وادی کی طرح گھیر رکھا ہے۔ اور اس کے اندر اللہ کی بے پناہ رحمتیں رونقوں کی شکل میں اُبھرتی ہیں۔ مکہ اور حرم کو ان پہاڑوں نے اپنی لپیٹ میں لیا ہے جو ایسے ہیں: جبل کعبہ، جبل عمر، جبل قلعہ، جبل ابوقبس، جبل ہندی، جبل سوڈان، اور جبل شراقیہ۔ یہ وہ تمام پہاڑ ہیں جو اللہ کی طرف سے کعبہ مبارک کی چوکداری قیامت تک کرتے رہیں گے اور رحمت خداوندی سے سرشار ہوتے رہیں گے۔ اگرچہ قیامت کے دن یہ تمام دھنی ہوئی روئی کی مانند ہوجائیں گے جیسا قرآن کریم میں ہے۔ پتھر بھی حساس ہوتا ہے، سائنس والے بہتر جانتے ہیں۔ مجھے وہ واقعہ یاد ہے ایک پتھر مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے رویا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے احساس کو جان کر اس کے غم میں شریک ہوئے اور کنکریوں نے لا اِلٰہ الا پڑھا۔ اور مدینہ طیبہ میں وہ درخت جس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ٹیک لگا کر خطبہ دیا

کرتے تھے رو پڑا۔ اس لیے یہ تمام بے جان چیزیں بھی حساس دل رکھتی ہیں۔ ان کی اس بیماری کا ڈاکٹر بھی اتنا صاحب کشف ہونا چاہیے۔ اس لیے یہ تمام پہاڑ کتنے خوش نصیب ہیں جو حرم کے اردگرد چوکیداری کی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ اور حساس دل ہونے کے ناطے بھی وہ روتے ہوں گے۔ اگرچہ آج کل وہ تمام پہاڑیاں آہستہ آہستہ سعودی گورنمنٹ نے توڑ دی اور ان جگھوں پر تعمیرات کا کام جاری ہے۔ اللہ مجھے بھی ایمان کی دولت سے نوازے۔ اگر پتھر ایسے حساس ہیں تو اس انسان کا دل اتنا بے رحم کیوں ہے؟ یہ احکام خداوندی سے کیوں دور رہتا ہے۔

شکروار: بعد ناشتہ حرم میں ہی چلا گیا۔ نماز ظہر مسجد شر کا مکہ میں ادا کی۔ بڑی خوبصورت حسین وجمیل مسجد ہے۔ اس مسجد میں واقعی اللہ کے گھر کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ مسجد کا آباد ہونا انسانی دل کی آبادی ہے۔ عرب والوں نے تقریباً ہر جگہ مسجدوں کا حق ادا کیا ہے۔ مسجد شر کا مکہ میں حرمان کے لیے علیحدہ انتظام ہے۔ ایک ہی عربی نے پندرہ منزلہ عمارت تعمیر کی ہے۔ یہ عمارت بھی لاثانی ہے۔ اس کی دوسری منزل پر یہ عالیشان مسجد ہے۔ نماز پڑھ کر جی باغ باغ ہوا اور خوشی محسوس ہوئی۔ ایک حدیث نبوی ہے جب ایک مومن کی اچھی چیز دیکھو تو دوسرے مومن کو خوش ہونا چاہیے۔ اس طرح عمارت کے ساتھ ساتھ یہ عالیشان مسجد بھی۔ اس کی ایک مثال ہے۔ ملک عرب میں تقریباً تمام انتظام زیر زمین ہے۔ مثلاً باتھ روم اخراج کا بندوبست اگر ایک جگہ ایک ڈیزائن ہے دوسری جگہ دوسرا ڈیزائن ہوگا۔ جس میں گرم اور سرد دونوں قسم کے پانی میسر ہیں، حرم کے نیچے سات آٹھ بڑے بڑے بیت الخلاء زیر زمین ہیں ایک بیت الخلاء میں تقریباً دو تین سو کے قریب باتھ روم بنے ہوئے ہیں۔

ہرایک مکان کا اپنا ڈیزائن ہے۔ یہ نہیں بجلی کا بندوبست بڑا اعلیٰ قسم کا ہے۔ بجلی کے کھمبے سڑکیں، بس اڈے پانی اور دیگر ٹیلی کمیونکیشن کے تمام تر نظام زیر زمین ہے۔ چاروں طرف ائیرکنڈیشنز عقل حیران ہوجاتی ہے۔ واقعی ہمارا ملک غریب ہے، امیر ملک ہی۔ ایسا نظام چلا سکتے ہیں۔ اگرچہ اب ہمارے ملک کی راجدھانی دلّی میں زیرزمین سسٹم چلانے کا کام جاری ہے۔ میں نے ریاض جدہ مکہ مدینہ ساری جگہیں دیکھی ہیں۔ وہاں ایک سے ایک نئی سکیم، نیا طور طریقہ، جوشاہد ہم صدیوں تک نہیں سوچ سکتے ہیں۔ نماز ظہر مسجد شرکاء مکہ میں ادا کی۔ آج امام کعبہ خطبہ میں کشمیر، فلسطین، چیچنیا کی آزادی کے لیے دعائیں کررہا تھا۔ حرم میں شدید بھیڑ تھی۔ حرم کے باہر کہیں جگہ نہ مل سکی۔ جہاں نماز میں شریک ہوسکتا۔ میں آج یہی منظر دیکھتا تھا۔ اور سوچتا تھا۔ یہاں کا چپہ چپہ رحمتوں والی سرزمین ہے۔ اسی لیے یہ بھیڑ پورے سال بھر ختم نہیں ہوتی، بعد عشاء کمرے میں گیا۔ تو عجیب سا منظر وہاں پر ساتھیوں نے بہت سے حجاج کو دعوت دی تھی۔ عرب کی قدیم روایت سے دعوتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہر امتی عرب میں اپنانا چاہتا ہے۔ بڑے ادب واحترام سے دعوت کا اہتمام تھا۔ خوب سیر ہوکر دس پندرہ مہمانوں نے ہرطرح کی ضیافتیں کھائی۔ اور پھر وہ تمام ساتھی جو دور دور سے آئے تھے، واپس چلے گئے۔ ہم پھر دینی مسائل میں کچھ مصروف ہوگئے۔ اور پھر رات دیر گئے بستر یاد آئے اور چند گھنٹوں کے لیے دراز ہوگئے تاکہ کل کے لیے تیار ہوسکیں۔

سنیچروار: آج پھر حاجی حنیف صاحب اور میں رابطہ عالم اسلامی کی طرف چل پڑے۔ ایک گھنٹہ کے بعد ہماری گاڑی رابطہ کے دفتر کے پاس

رکی۔ ہم اندر Reception آفیسر کے پاس گئے۔ اس نے ہمیں ارشد صاحب سے ملنے کے لیے کہا۔ ارشد صاحب نے ہمیں ایک فلسطینی نوجوان سے ملنے کو کہا۔ اُس نے ہمیں ڈاکٹر یحییٰ صاحب کے پاس بھیجا۔ اب ان کے پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے اپنے اسسٹنٹ کو کہا۔ ذرا دیکھو۔ تو فائل جب پیش کی گئی جو آج تک نامکمل پڑھی ہوئی تھی۔ پچھلے چار سالوں سے کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ جن کو آج یکجا کیا گیا۔ اور پتہ چلا ہندوستان کی فاعلیوں کی لسٹ میں گیارہ نمبر ہے۔ اس نے تمام کاغذات اکٹھے کر کے جو پچھلے چھ سات سالوں سے بھیجتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے حوالے کردی۔ ڈاکٹر صاحب نے ہمیں بتایا ہم اس فائل کی انکوائری کروا رہے ہیں۔ اگر وہ سفارش کرے گا۔ اس کے بعد ہی ہم کچھ اس کی فائل کے لیے سوچ و چار کر سکتے ہیں۔ میں نے اس کو عاجزی وانکساری سے مطمئن کرنا چاہا تو اس نے بتایا۔ آپ سیکرٹری جنرل کو مل سکتے ہیں۔ سیکرٹری کو ملنے کی وجہ یہ تھی میرے پاس کوئی بھی فائل وغیرہ کا نمبر نہ تھا۔ جس پر ان سے بات چیت کرسکتا تھا۔ نتیجتاً ڈاکٹر صاحب ہی کے جواب پر مطمئن ہو گئے، جس کا جواب سن ۲۰۱۸ء تک نہ آیا۔ نہ ہی آئے گا۔ اور وہاں سے لائبریری میں چل دیئے۔ لائبریری بڑی خوبصورت اور دلکش انداز میں سجائی گئی تھی۔

لاکھوں کتابیں سینکڑوں رسالے جات اخبارات وغیرہ رکھے گئے ہیں۔ لائبریری میں بہت سے لوگ کام کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ لائبریری علم کا خزانہ ومنبہ ہوتا ہے۔ وہ قوم جو ترقی کی منازل کو چھونا چاہتی ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ وہ کنبہ، محلے، گاؤں، قصبے میں لائبریریوں کا بندوبست کر کے نوجوان میں علمی ذوق اور شوق پیدا کرے۔ کتابوں کا مطالعہ علمی سند ہے۔ یہ

سندیں سونے چاندی ہیرے جواہرات کے اکٹھے کرنے میں نہیں ملتی ہے بلکہ پڑھنے پڑھانے اور تلاش علم میں ملتا ہے۔ مسلمان قوم کے زوال کے اسباب یہی ہیں وہ تعلیمی میدان میں باقی قوموں سے پیچھے رہا ہے۔ ورنہ مسلمان فولادی دل و دماغ رکھنے والے تھے۔ پیغمبر امّی تھے، علم کی تلاش میں نکلے، پھر ساری زندگی علم ہی پر صرف کردی اور دنیا کے سارے علوم مختصر سی زندگی میں سیکھ لیے۔ پھر رہبر کامل نے ساری زندگی دعوت میں صرف کردی آیئے دیکھئے ہم کیا کررہے ہیں۔ کتابوں کا مطالعہ شوق لازمی ہے۔ ہر ذی حس کی ذمہ داری ہے وہ کتابوں کا ذخیرہ اکٹھا کرے اور لوگوں کو پڑھنے کے لیے مائل کرے۔ یہ خاموش دعوت کا طریقہ ہے۔ میں نے کافی کتابوں کو سرسری طور چھان مارا۔ زیادہ تر عربی میں ہیں، انگریزی اور پھر باقی زبانوں کی لسٹ آتی ہے۔ اچھا نظم ونسق اور انداز بیان تھا۔ اِتنے میں اذان ظہر کانوں میں گونجی، وضو بنایا۔ اب کیا دیکھتا ہوں تمام آفیسر اور ماتحت نماز میں شریک ہورہے تھے۔ اللہ نے بادشاہ سے گداگر تک تمام کو حکم دے رکھا ہے۔ نماز کے وقت ایک ہی صف میں کھڑے ہوکر اُسی بڑے بادشاہ کے سامنے سرنگوں ہوجائیں۔

بندہ وصاحب محتاج غنی ایک ہوئے۔ تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے، نماز بڑے پرخلوص انداز سے مولانا نے پڑھائی۔ مسجد مخملی قالینوں سے سجی ہوئی تھی۔ ائیر کنڈیشنر، عرب میں ہر مسجد میں پہلے پینے کے لیے پانی۔ پھر وضو میں گرم سرد۔ دونوں مسجد لائبریری اور دفتر ان تینوں نے میرے زہن پر گہرے اثرات ڈالے اور میں سوچ رہا تھا کہ ہم بھی کبھی ایسا سوچ سکتے ہیں کہ ہم بھی اپنے اداروں میں ایسا نظام قائم کرسکیں۔ جہاں ہر نمازی

خراماں خراماں مسجد میں آئیں۔ یہاں سے نکل کر ہم سیدھے حرم میں پہونچے۔ عصر سے عشاء تک حرم میں تمام نمازیں ادا کی۔ حرم کی نمازوں کا کیا کہنا۔ امام کعبہ بھی کیا امام ہوتا ہے جب وہ قرأت کرتے ہیں۔ تو ایسا لگتا ہے کہ آج بھی قرآن الہامی اثر رکھتا ہے۔ کتنی سریلی، میٹھی، دلکش آوازیں امامِ کعبہ کی ہوتی ہیں۔ قرأت مختصر لیکن آواز موثر ہزاروں زائرین امامین کی قرأت پر ہی اپنے آنسوں بہا بہا کر خشک کر دیتے ہیں۔ واقعی قرآن کو عربوں نے سیکھا، سمجھا اور عمل کیا۔ ایسی قرأتوں میں مقتدی چاہتے ہیں۔ نماز رکوع وسجود ہوں اور واقعی لگتا ہے نماز کا حق عربی ہی ادا کرتے ہیں۔ قیام رکوع وسجود اور جب تلاوت کرنے بیٹھ جائیں۔ سات آٹھ پارے ضرور پڑھ ہی لیتے ہیں۔ باقی ملکوں کے لوگ شائد وہ حق ادا نہیں کر پاتے۔ اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسی نمازیں قیامت کے دن منہ پر ماری جائیں گی جن کے رکوع اور سجود مکمل نہیں ہیں۔ آج پھر کمرے میں چھل پھل تھی۔ حجاج کرام لائے گئے تھے۔ دعوت کے بعد رات کے ایک بجے تک توحید کے نغمے گائے جاتے ہیں۔ بات چیت ہوتی ہے۔ حاجی مجید و حاجی حنیف میرزا، دونوں بھائیوں کو کافی دینی معلومات آچکی ہیں، اللہ نے ان کے ذہنوں کو کھول دیا ہے اور دینی عوات کا حق بھی ادا کرتے ہیں۔

اتوار تھی۔ صحت کچھ ناساز تھی۔ ہندوستانی شفاخانہ گیا۔ ڈاکٹروں کے پاس عمدہ دوائیں ہیں، باقی ملکوں کی ایمانداری، کردار سازی، نیک نیتی، اور سچائی ہندوستانی، پاکستانی اور بنگلہ دیشی سے قدرے افضل ہے۔ اسی حساب سے ان ملکوں کی چیزیں یا دوائیاں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ لیکن سعودی عرب میں ہندوستانی جتنے شفاخانے ہیں۔ تمام میں Effective دوائی میسر ہے۔

یہاں سے فارغ ہوتے ہی سیدھے حرم میں گیا اور طواف ہی میں مصروف ہو گیا۔ طواف کیا ہے یہ صرف چکر کاٹنا ہی نہیں ہوتے ہیں بلکہ اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں مجھے وہ بندہ بہت ہی محبوب ہے۔ جو طواف کرتا رہے۔ ایک حدیث نبوی ہے کعبہ کو دیکھنے والے کو صرف بیس نیکیاں ملتی ہے اور طواف کرنے والے پر ستر رحمتیں برستی ہیں۔ اس لیے اوقات نماز کے بعد طواف کرنا سب سے افضل کام ہے۔ ایک طواف سات چکروں کا ہے، ہر چکر میں علیحدہ اپنی اپنی دعا ہے۔ کچھ لوگ تیسرا اور چوتھا کلمہ ہی پڑھتے ہیں کچھ تلاوت قرآن میں مصروف چکر کاٹتے ہیں۔ یہاں پر پیر و جوان، مرد زن دنیا کے حسین و جمیل، آنکھوں سے آنسوں کی لڑی، اپنے گناہوں پر ندامت لیے ہوئے کوئی حجر اسود پر انتظار کر رہا ہے۔ کوئی مقام ابراہیم کے لیے ترس رہا ہے کوئی حطیم کے اندر اور نفل ادا کرنے کے لیے بے تاب ہے۔ کوئی ملتزم کے ساتھ لٹکا ہوا چلا رہا ہے۔ کوئی میزاب کے نیچے تڑپ رہا ہے۔ یہ سارا عالم صرف اللہ کے ذکر میں دن رات چوبیس گھنٹے مصروف اور تل دھرنے کی جگہ نہیں ملتی ہے۔ میں نے بارہا کوشش کی۔ حجر اسود کو بوسہ دوں۔ جب یہ بات دیکھی جاتی ہے سب سے اچھا عمل یہی ہے کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو تو پھر صرف دربار بوسہ دیا۔ یہ سارا عالم صرف اللہ کے ذکر میں مصروف ہے اور اس کی رحمت کے بادل برس رہے ہیں۔ صدائیں آسمانوں میں جا کر کہہ رہی ہیں۔ اے دنیا کے داتا! اے رب ذوالجلال میری قسمت میری عاقبت بنا۔ میرا مرنا اور جینا درست کر۔ یہ صدائیں آسمانوں کو چھوتی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور پھر فرماتا ہے۔ اے بندے جو تو نے عاجزی، انکساری اور شرمساری کی میں وعدہ کرتا ہوں۔ میری رحمت جوش میں آئی ہے اور تم کو

میں نے بخش دیا ہے۔

مورخہ ۳۰ مارچ منگلوار تھی۔ کوشش کی تھی۔ بھٹی صاحب نے ہم پہلے ہی مدینہ نکل جائیں۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ مایوس ہو کر لوٹے۔ واپسی پر حفیظ بھٹی نے ہمیں آج ہوٹل میں کھانا کھلایا۔ مرغی نان اور بریانی وغیرہ۔ واپسی پر حاجی حنیف میرزا اور میں نے کچھ سامان کی خریداری وغیرہ کی۔ اب آہستہ آہستہ واپسی کی تیاری کر رہے تھے۔ بعد میں گودِ حرم میں بیٹھ کر کعبہ کو دیکھنے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے حاجی صاحب سے کچھ سوالات کیے۔ یہ وہی کعبہ ہے جس کو آدم نے بنایا۔ طوفان نوح میں غرق ہوا۔ پھر حضرت ابراہیم نے جب حضرات ہاجرہ اور اسماعیل کو یہاں چھوڑا تھا۔ تو اس وقت سنسان جنگل چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا خوفناک وادی تھی۔ کچھ ستو، کھجور اور کھانے کی چیزیں دی اور خود ملک شام واپس چل پڑے۔ حضرت ہاجرہ نے حضرت ابراہیم سے پوچھا آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہو۔ کیا یہ حکم خداوندی ہے حضرت ابراہیم نے کہا۔ ایسا ہی ہے۔ جب کہ حضرت ابراہیم کی زوجہ سائرہ نے ان کو حضرت ابراہیم کو ایسا کرنے کو کہا۔ مشیتِ ایزدی بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ اللہ نے کچھ ارکان بھی کروانے تھے۔ جب پیاس کی شدت بڑھ گئی تو حضرت ہاجرہ صفا اور مروہ کے چکر کاٹنے لگی۔ سات چکر کے بعد واپس آئی۔ بیٹے کے پاس۔ اس کے پاؤں کے مارنے کی جگہ، کچھ نمی دکھائی دی۔ والدہ نے کریدنا شروع کیا۔ کریدتے، کریدتے پانی زمین سے پھوٹنے لگا۔ اب یہ احتمال ہوا کہ یہ اتنا نہ بہہ جائے تو حضرت ہاجرہ نے کہا زم زم۔ عربی میں زم رکنے کو کہتے ہیں۔ اسی لیے اس کا نام زم زم پڑ گیا۔ میں سوچ رہا تھا پیغمبروں نے مال و جان، دولت عزت سب کچھ اللہ کی

راہ میں نچھاور کردی۔ صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کا ہر عمل اور سانس صرف اللہ کے حکم کا انتظار کرتا تھا۔

میں یہ بھی محسوس کر رہا تھا حضرت ابراہیم، ہاجرہ اور اسماعیل علیہم السلام کا عمل اللہ کو اتنا کیوں پسند آیا۔ ان کی ہر حرکت کو حج کا حصہ قرار دیا۔ کعبہ کی تعمیر، طواف کرنا، سعی کرنا، قربانی کرنا، شیطان کو کنکریاں مارنا، عرفات اور منیٰ میں قیام، زم زم کا نکلنا، حجر اسود کا حضرت ابراہیم ہی کو ملنا۔ جب کہ طوفان نوح میں یہ زیر آب آ چکا تھا۔ یہ کام صرف پیغمبروں کا ہی ہوتا ہے وہی پورے اترتے ہیں، اللہ ان کو اپنا حبیب بنا لیتا ہے۔ میں نے یہاں تک سنا ہے اور کتابوں میں پڑھا ہے کہ مدینہ طیبہ کی گلیوں اور مسجد نبوی کے دروازوں کے باہر تک بڑے بڑے غوث اور قطب اپنے آپ کو صفائی مین لگاتے ہیں۔ بلکہ ان کی ڈیوٹی لگتی ہے۔ اگر یہ میری آنکھیں ان کو پہچان نہ سکیں۔ میں اسی میں مصروف تھا کہ ایک نوجوان قافلہ آیا اور وہ ہمکلام ہوے۔ امت مسلمہ کی بات چھیڑ دی وہ بھی عربی میں محو گفتگو تھا۔ میں سمجھتا ضرور تھا لیکن ہمکلام سے قاصر تھا۔ حاجی صاحب نے ہی ان کو کچھ سوال و جواب میں مصروف رہے بعد میں وہ چل نکلے۔

سعودی حکومت کا نظم و نسق، ضابطہ قانون، صفائی دیگر امور حکومت کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ ایک سپاہی ملک کا صحیح علمبردار ہوتا ہے۔ وہ کبھی بھی قانون شکنی نہیں کرتا ہے نہ ہی کوئی غلطی اس سے جان بوجھ کر سرزد ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کوئی بھی غلط آدمی اس سے بچ نہیں سکتا ہے۔ یہ بہادر فوج سپاہ و پولیس کے کام ہوتے ہیں۔ تجارت کے لحاظ سے دنیا کی ہر چیز مکہ اور مدینہ کے شہروں میں پائی جاتی ہے۔ پھل سبزیاں اور دیگر تمام اشیاء خوردنی تجارتی یہاں تازہ

سے تازہ ہر وقت دستیاب ہیں۔ کیلا اتنا بڑا میں نے کہیں نہیں دیکھا جتنا بڑا سعودی میں پایا جاتا ہے۔ اور وزن کے حساب سے بکتا ہے۔ صفائی کا تصور دنیا میں ایسا کہیں نہیں ہوگا، سڑکیں صاف، شفاف ہمارے گھروں کے مانند، سڑکوں کے دونوں طرف پلاسٹک کی ٹینکیاں اور بڑے بڑے تھیلے لٹکے ہوئے کوڑا کرکٹ ڈالنے کے لیے دکھائی دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اتنی بڑی حجاج کی قوم کوئی کوڑا کرکٹ باہر نہیں ڈالتے۔ بلکہ کوشش یہ بھی ہوتی ہے تمام چیزیں جو گری ہوئی ہوں۔ وہ تھیلوں میں ڈالی جاتی ہیں صفائی والے ملازمین ہر وقت اپنی ڈیوٹی پر کمر بستہ میں دن ہو یا رات گرمی کی شدت ہو۔ یا یخ بستہ لہریں یہ تمام ملازمین اپنی ڈیوٹی پر کھڑے مسافروں کی مدد کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ کوئی مائیک، کوئی جلسہ، کوئی آواز، کوئی اِشتہار نہیں ہے بلکہ یہ لاکھوں کا قافلہ خود بخو درواں دواں ہے۔ صرف نظم ضبط کی پابندی ہے۔

شکروار: ساڑھے گیارہ بجے غسل وغیرہ کر کے حرم میں چلے گئے۔ آج کچھ بھیڑ کم تھی۔ اس لے طے خانے میں جگہ مل گئی۔ طے خانہ چاروں طرف سنگ مرمر کی سفید لمبی لمبی سلین اور ان کے اوپر بجلی کی لائٹیں سجی ہوتی۔ بڑی خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔ حرم کی مسجد یا کعبہ میں کوئی بھی تقریر جمعہ کے روز نہیں کرتا ہے۔ بارہ پچیس پر جمعہ کی اذان ہوئی۔ ساڑھے بارہ بجے امام صاحب نے خطبہ دینا شروع کیا۔ امام صاحب نے خطبے میں کشمیر، چیچنیا، بوسنیا، فلسطین کی آزادی کے لیے دعائیں کی۔ خطبہ پورا سمجھ نہ سکا البتہ جب یہ نام آئے تو ایسا ہی لگا۔ امت مسلمہ کی کیا خوبی ہے۔ اسلام کا معاملہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ہوتا ہے۔ پھر اس کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں۔ اگر چہ قبولیت کا مقام ملتا ہے کہ نہیں۔ بقول اقبال ؎

نِدا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دراند و محبوبے نہ دراند

نماز ایک بجے ہوئی۔ نماز پڑھنے میں بڑا مزا آتا ہے۔ خشوع وخضوع، سجدہ، رکوع کو مکمل کرنے میں کوئی قصر باقی نہیں رہتی ہے۔ عربی قرأت چھوٹی سورت، رکوع وسجود مکمل۔ امسال مجھے ایسا لگا یہ عورتوں کا حج مخصوص حج تھا۔ عورتیں مردوں سے زیادہ تھی۔ جدھر دیکھو صرما ہی صرما، نسیا ہی نسیا دکھائی دیتی ہے۔ میں جلدی ہی کمرے میں چلا گیا۔ وہاں سے احرام باندھا، پھر مسجد عائشہ میں چلے گئے۔ وہاں نیت عمرہ کی اور دو نفل شکرانہ کے طور پر ادا کیے۔ واپس گاڑی میں بیٹھ کر حرم میں طواف، سعی، رمل کے ساتھ پھر خوب سیر ہو کر زم زم پیا۔ بعد نماز مغرب تقریباً ہر دن مولوی مکی صاحب کی تقریر سنی۔ اللہ نے مولوی مکی صاحب کو پچیس سالوں سے خانۂ خدا میں دین کی دعوت بہ زبان اُردو میں بلند کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے۔ یہ توحید نظریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی زبان تاثیر سے بھری ہوئی ہے۔ عشاء تک تقریر ہوتی ہے بعد عشاء حجاج کے سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔ ان کی تقریر ہر دن نئے موضوع پر ہوتی ہے۔ ایک کیسٹ ہر دن بھر لی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ اہلحدیث علماء کا خطاب بھی سنا۔ جو اتنا مؤثر ثابت مجھ پر نہ ہو سکا۔ اور کسی شیعہ کے علماء کو وہاں بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک شام کو ہم بیٹھے تھے، ایک نوجوان تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہوا۔ اس کو اُسی وقت پولیس پکڑ کے لے گئی۔ میں نے وجہ دریافت کی، پتہ چلا بغیر اجازت کے بول رہا تھا۔ اس لیے ہر ایک کو بولنے پر مسجد حرم یا مطاف کے اندر پابندی ہے۔ رات دیر گئے فارغ ہوئے۔ پھر کمرے میں چلے گئے۔ ویسے حرم پاک ہو یا مسجد نبوی وہاں دن

رات برابر ہوتے ہیں۔ مسجد نبوی کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ باہر نکل آتے ہیں اس کے برعکس حرم پاک چوبیس گھنٹے کے لیے کھلا رہتا ہے اور وہاں کے سنگ مرمر دن کے بجائے رات کو زیادہ چمکتی ہوئی دکھائی دیتے ہیں۔

سنیچروار: معمول کے مطابق حرم میں مصروف رہا۔ بھانت بھانت کی زبانیں بولنے والے حسن وسیرت سے آراستہ دولت والے ذکر میں مشغول مسلمانوں کی زندگی کو دیکھنے کو موقع ملتا رہتا ہے۔ پونچھ راجوری کے علاوہ بھی ہندی مسلمانوں کو قابل اعتماد نہیں سمجھا جاتا ہے۔ بعد نماز حاجی صاحب اور میں نے کچھ سامان خرید لیا۔ اس طرح مکہ کی تمام مارکیٹوں اور دوکانوں کو دیکھنے کا موقع ملا۔ مکہ کے اندر بڑے بڑے سٹور ہیں۔ ایک سٹور کے اندر پچاسی دوکانیں ہیں۔ دنیا کی ہر چیز ملتی ہے۔ سٹور میں داخل ہوکر جو چیز درکار ہے خود اٹھا کر لاؤ۔ وہاں پر کیمرے نصب ہیں جو ہر انسان کی حرکات وسکنات کو نوٹ کرتی ہیں۔ اس طرح سے وہ سامان گیٹ پر لانا ہے۔ وہاں پر ایک پیک کرے گا اور دوسرا بل بنائے گا اور تیسرا رقم وصول کرتا جائے گا۔ میرے حساب سے ایک دوکان کے اندر تین چار ارب روپے کی مالیت کا سامان موجود ہوگا۔ انسانی عقل محو حیرت ہوجاتی ہے۔ مجھے کسی نے سنایا یہاں پر بہت سے دوکانیں ایسی ہیں جن کے مراکز پورے سعودی میں ہیں یہ تمام آگے ملازم کام کرتے ہیں اور ان کا مالک ریاض میں بیٹھا۔ اُس کے تیس سے بھی زیادہ سٹور ہیں دن پر وہاں سے ہی نظر رکھے ہوئے ہے۔ تعجب ہوتا ہے دولت عربیوں کے پاس ہے کوئی شک نہیں۔ لیکن دولت کا کوئی مقصد دکھائی نہ دیا۔ مسلمانوں کو تعلیمی پسماندگی نے مارا، ورنہ یہ فولادی ایمان والے لوگ تھے،

دولت ان کے پیچھے دوڑتی تھی لیکن اب مسلمان قوم و دولت کے پیچھے بھاگے جا رہے ہیں۔ اسی لیے اُن کی حالت یہ ہو رہی ہے۔ آج کمرے میں جا کر سامان کی پیکنگ کی۔ اور اب مکہ کا سفر آہستہ آہستہ بند ہونا شروع ہوا ہے۔

اتوار: بعد ناشتہ حرم شریف گئے اور یہ عہد لے کر ایک بزرگ حفیظ بھائی صاحب کے والد کو آج بوسہ دلائیں گے۔ اور خود بھی اس کا اعزاز حاصل کرنا تھا۔ طواف مکمل کرنے کے بعد میں نے کوشش کی۔ بڑی مشکل سے بوسہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں بہت زیادہ بھیڑ ہوتی ہے۔ یہاں تک بچے بوڑھے اور عورتیں موت کی آغوش تک پہونچ جاتے ہیں۔ میں بڑی مشکل سے پھر سے اس بزرگ کو دو دفعہ حجرِ اسود کے پاس لے پہونچا۔ پھر سے کسی نے اٹھا کر وہاں ہی پہونچا دیا۔ جہاں سے چلے تھے۔ تپتی دھوپ میں جب نظر سنگ مرمر کی سفید سلوں پر پڑتی ہے چاروں طرف احرام اور سفید لباس میں ملبوس حجاج کرام چلتے گھومتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس سفیدی سے آنکھوں کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ اِن تمام حاجیوں کے اُوپر اللہ کی رحمتیں برستی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ جب وہ گڑگڑاتا، روتا چلاتا عاجزی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اعلان عام ہوتا ہے کہ تمام حجاج کرام کے گناہ بخش دیئے گئے ہیں کیونکہ یہ لوگ میرے اور میرے پیغمبروں کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اسی طرح مکہ کو جی بھر کے قریہ قریہ دیکھنے کا موقع بھی ملتا ہی نہیں بلکہ مکہ کو چھوڑنے کا دل نہیں آتا ہے۔ ہر بشر کہتا ہے کہ کاش میرا مکان اگر مکہ میں ہو تو کتنا خوش نصیب ہو جاؤں۔

سوموار: بعد ناشتہ آج حفیظ بٹ صاحب جو مستان درا کے رہنے والے ہیں پچھلے بیس سالوں سے زیر سایہ حرم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آج مجھے اور

حاجی حنیف صاحب کو کار میں بٹھا کر پہلے جنت الماویٰ میں حاضری دی۔ پھر گورنر مکہ کی کوٹھی پر گئے۔ پتہ چلا ان کی کوٹھی پر کوئی گارڈ وغیرہ نہیں ہوتا ہے۔ صرف خدمت گار ہوتے ہیں، اگر کوئی بھی عرضی لے جائیگا، گورنر صاحب سے خود مل سکتا ہے۔ یہاں سے نکلتے ہی ایک مارکیٹ دیکھی، پتہ چلا ایسی ہی تیس مارکٹیں عرب میں اس شیخ کی ہیں ہر ایک مکان کا سٹور تین سو میٹر تک پھیلا ہوا تھا۔ یہاں سے آگے حفیظ بٹ صاحب کا کفیل جس کا نام شریف منصور ہے۔ ایک عرب امیر ہے جس نے اس علاقے میں شادی خانہ بکری مرغی بطخ، بھیڑ، خرگوش، پرندے اور نہ جانے کن کن کی آماجگاہ بنائی ہوئی ہے۔ یہ تقریباً ایک کلومیٹر کے علاقے تک پھیلا ہوا جال دیکھا۔ اس کے اردگرد چاروں طرف پندرہ فٹ کی دیوار ابنی ہوئی ہے جس کے اندر یہ تمام رہ رہے ہیں۔ جہاں اندر ہی اندر پانی چارہ دیگر ضروریات دستیاب ہوتا ہے۔ جناب حفیظ بٹ صاحب نے مسٹر مہد جواُن کا رکھوالا تھا اس سے ملاقات کرادی۔ جو کیرالہ کا رہنے والا تھا۔ ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی حیران ہوا، قالین، ٹی وی، بستر اور دیگر لوازمات زندگی اسے تھے جیسے ہمارے ہاں ایک منسٹر صاحب کے ہاں بھی میسر نہیں ہوگا۔ میں نے کچھ سوالات کیے، پتہ چلا یہ برسوں سے وہاں رہ رہا ہے اور اس کی تنخواہ دس ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ اس نے ہمیں انڈے چائے سے خاطر تواضع کی۔ یہاں مجھے وہ حدیث یاد آگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جب آخری وقت ہوگا۔ تو اس دور میں ایسا بھی ہوگا۔ گڈریا کا رہنا سہنا کھانا، ایسا ہوگا جیسا کہ بڑے شہنشاہوں کا ہوتا ہے۔

پھر شادی خانے کو دیکھنے کے لیے گئے۔ ایک شادی خانے پر پندرہ کروڑ روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ پتہ چلا شریف منصور کے پورے عرب میں اسی قسم کے

دس شادی خانے ہیں۔ یہ تمام چیزوں سے آراستہ ہندوستان کے سینما خانوں یا کانفرنس ہالوں کی مانند ہوتا ہے۔ یہاں ایک لمحہ فکریہ ہے اور میں سوچتا ہوں عربوں نے دولت کو بے ہودا۔فرسودا باقی ارہش محفل اور عیاشی کاروبار اور بے مقصد کاموں میں جس طرح لگایا۔ اگر انہوں نے تعلیم، سائنس ٹیکنالوجی پر خرچ کیا ہوتا تو آج امریکہ برطانیہ روس چین اور فرانس کو عرب قوم کا غلام ہونا پڑتا اور ساری دنیا میں عربی قوم کا طوطی بولتا۔ اگر جاپان نے ہیروشیما ناگاساکی کے بموں کے بعد پچاس سال میں اتنی ترقی کی۔آج نصف دنیا کو قرض دیتا ہے تو عرب قوم کو کیا پریشانی تھی۔اس کو قدرتی وسائل پچھلے ایک سو سال سے برابر آرہے ہیں عرب قوم نے قوموں کا مقصد ہی کھو دیا ہے۔اگر اس دولت کے ساتھ صاحبِ حس زمین ہوتی تو شائد مسلمان قوم دورِ جدید کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم ہوتی۔اور یہ پیچھے نہ رہتی پھر فلسطین جیسے ملک میں اسرائیل نہ بنتا۔اور آج وہی اسرائیل جس کا کوئی وجود بھی نہ تھا۔ بے چارے نہتے فلسطینوں کو وہاں سے نکال نکال کر ساری دنیا میں پناہ گزین کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔اور باقی ماندہ قوم کو ہر دن موت کی آغوش میں پچھلے ساٹھ سالوں سے سلاتے آئے ہیں۔عرب ملکوں کی یہی دین ہے۔ نہ علم ہے نہ اتفاق ہے بقول شاعر۔

قوتِ فکر عمل پہلے فنا ہوتی ہے
تب کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

منگلوار چار اپریل تھا۔آج میں حرم وکعبہ کو تاسفرِ سویم خیر آباد کر رہا تھا۔ بڑا رنجیدہ رنجیدہ سا مراج بن چکا تھا۔دوسری طرف سے یہ وہ لمحہ مسرت کا بھی تھا کہ مسجد نبوی پر آقا کی حاضری کی منظور ہو چکی تھی۔ میرے لیے رکنا محال

تھا۔ دل تو چاہتا تھا کہ کعبہ کو نہ چھوڑا جائے جہاں پر ایک نماز کو ادا کرنے کا لاکھ نمازوں کا ثواب تھا۔ اللہ کا جلال اور کمال ہی نہیں بلکہ انسانی جانوں کے لیے دریائے مغفرت اور قبولیت دعا کا منبہ جاری وساری تھا۔ میں نے کچھ سامان جو خرید کیا تھا تحفہ حرم کو ایک تھیلے میں بند کیا۔ حاجی مجید صاحب وحاجی حفیظ بھٹی صاحب نے مدد کی۔ نماز مغرب سے قبل ہی طعام مغرب سے فارغ ہو چکا تھا۔ اور جبل عمر کے تمام ساتھیوں سے رخصت لے چکا تھا۔ حرم میں حاضری دی۔ طواف الودع میں مصروف ہو گیا، دعائیں لبوں پہ سینے میں غم کا طوفان۔ آنکھوں سے آج آنسوؤں بھی خشک ہو گئے تھے۔ میں روزانہ اشک ندامت بہایا کرتا تھا۔ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ اے پگلے اب تو لاکھوں نمازوں کا ثواب کہاں سے پائے گا۔ کہاں تجھ پر رحمتیں نچھاور ہوں گی۔ دیکھنے چلنے، نمازوں تلاوت میں بھی نیکیاں۔ ایسی سوچ میں گم تھا۔ اب کہاں پھر ایسے لمحے میسر ہوں گے۔ آج ملتزم، مطاف، حطیم اور مقام ابراہیم پر حاضری میں دعائیں پوری امت کے لیے نکل رہی تھی۔

میں نے جھٹ سے آخری سلام کہہ کر حدود کعبہ کو چھوڑنا شروع کیا۔ میں نے پچھلے پاؤں چلنا شروع کیا، منہ کعبہ کی طرف نظریں کعبہ پر جمی ہوئی۔ میری کیفیت ایک عاشق کی تھی۔ جب وہ معشوق سے جدا ہوتا ہے وہ منظر کیسا ہوتا ہے۔ ذہن میں یہ بھی گونج اٹھا کہ حضور نے ہجرت سے قبل ہاتھ اٹھا کر دعا کی تھی جبکہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ رب کعبہ! میں تجھے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن دشمنان اسلام میرا یہاں رہنا پسند نہیں کرتے ہیں۔ میری کیفیت بھی وہی تھی میں بھی چھوڑنا نہ چاہتا تھا۔ لیکن میرا وقت تھم چکا تھا۔ اب دانہ اٹھ چکا تھا ایسے ہی کعبے پر نظریں جمی ہوئی باہر آ رہا تھا۔ میرے ساتھ ساتھ ایک اور

جوڑا بھی آ رہا تھا، شائد وہ محسوس کر رہے تھے یہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اے دنیا کے دیوانو ہم تو کسی اور چیز کے دیوانے میں جس کے لیے ہم نے لاکھوں روپیہ سیر سیاحت میں صرف کر دیئے۔ وہ مجھے ٹکٹی لگائے ہوئے نظروں سے دیکھ بھی رہے تھے اور ہنس بھی رہے تھے۔ میری آنکھوں سے آنسوں اور کعبہ آہستہ آہستہ دور ہوتا جا رہا تھا۔ جیسا کہ ایک مردے کی موت کے وقت اس کی آنکھوں سے روشنی دھیرے دھیرے ختم ہو جاتی ہے۔ میں اسی کیفیت میں باب فہد سے باہر آ گیا۔ اب کعبہ میری نظروں سے اوجھل تھا۔ صرف حرم کے مینارے سفید سنگ مرمر کی سلین اور حرم کا بیرونی منظر جو مجھے الوداع کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ تمہیں ہم پھر ضرور بلائیں گے۔ میں افسردہ مجھے اَلوداع کرنے والے مہمان، حرم کے باہر بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ میرے پاس ایک طویل فہرست تھی، کام کرنے کی مہمانوں کو دیکھ کر میں نے تمام چھوڑ دیئے۔ ہم معلم کے پاس پہونچ گئے۔ اس نے رکنے کے لیے کہا۔ ایک دو گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد گاڑی آہ گئی۔ پونے بارہ بج چکے ہیں گاڑی چل دی دس لوگ ہمیں رخصت کرنے کے لیے کھڑے تھے ہاتھ ملا رہے تھے سلام کر رہے تھے، گلے مل رہے تھے۔

گاڑی سوئے مدینہ چل پڑی۔ میری سیٹ قدرے پیچھے تھی میرے ساتھ جو دوسرے سیٹ پر بر جمان تھے وہ لکھنو کے ایک شاعر بسمل صاحب جو ندوہ میں اردو کے مدرس تھے۔ بڑے خوش مزاج اور لکھنوی جھلک عیاں تھی۔ اُنہوں نے گاڑی چلتے ہی نعتوں کا گلدستہ پیش کیا۔ اور پھر رات کے تین بجے تک غزلیں بھی سناتے گئے اور ہم سنتے گئے۔ پھر وہ خواب اِستراحت یعنی آرام کرنے میں مصروف ہو گئے۔ گاڑی میں یوپی دہلی کے لوگ بھی تھے۔

ڈرائیور مصری تھا۔ عربی کے بغیر کچھ نہ جانتا تھا۔ پوری رات روشنی غل کر دی، اندھیرے میں سارے بیٹھے رہے، انجان راستے، رات کی اندھیری، کوئی بورڈ دکھائی نہ دیا، رات ڈھائی بجے وادی ستار میں جا رکے۔ یہاں کچھ نہ ملا، پانی وضو کے لیے اور چائے پینے کے لیے۔ پون گھنٹے کے بعد چل دیئے، گاڑی سوئے منزل رواں دواں تھی۔ اب مجھے بھی نیند کے جھونکے آ رہے تھے۔ میں اسی میں سو چکا تھا۔ گاڑی کہیں نہ رکی، سورج چڑھ آیا۔ وضو کرنے کے لیے پانی نہیں اور ڈرائیور نے کہیں روکی تک نہیں کہ نماز صبح ادا کی جاتی، حجاج چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم اس مقام پر پہونچ ہی گئے جہاں پر گنبد خضریٰ اور مسجد نبوی کے مینارے دکھائی دیئے۔ اب کیا میری آنکھیں پھر نوری کرنوں سے منور ہوگئی۔ میں کتنا خوش بخت تھا کہ کوہے کعبہ کی گلی سے نکل کر کوئے حبیب کی گلی میں پہونچا۔ دل میرا غم دیدہ، غم دیدہ، آنکھیں نم دیدہ نم دیدہ، مَن خود رنجیدہ، رنجیدہ بقول شاعر ؎

شہروں میں اے مدینہ توہی تاجدار ہے
تو خاکدانِ دہر میں جان بہار ہے

مکہ سے مدینہ پونے پانچ سو کلومیٹر کا سفر ہے۔ پہاڑوں، ریگستانوں، وادیوں اور آج کل لہلاتے ہوئے درختوں کی سرزمین، دور تا حد نظر ریگستانوں میں بجلی کی لائٹوں سے تمام تر علاقہ دن کی مانند دکھائی دیتا ہے اور سڑک کے دونوں کنارے پر بجلی کے قمقمے اور ٹیوب لائٹ کا بہترین انتظام ہے۔ ہزاروں گاڑیاں دونوں اطراف سے رواں دواں کوئی خوف و خطرہ حادثہ سے خالی یہ سفر ہر سال لاکھوں ہی نہیں کروڑوں حجاج کو زیارت مدینہ کے لیے لاتے۔ اور لے جاتے ہیں۔ کبھی یہ نہ سنا کوئی حادثہ ہوا ہو۔ مدینے کا

سفر کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ قدم جنت سوئے اٹھتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

ساڑھے سات بجے بازارِ مدینہ میں گاڑی سے اترے۔ اس وقت تک مدینہ کی ہوائیں کھا رہے تھے۔ اور اب طیبہ میں میرے ناپاک قدم پڑے۔ مدینہ کا ذرہ ذرہ پاکی رحمتوں اور خوشیوں سے آقا کی وجہ سے بھرا ہوا ہے۔ آج میں اسی دھرتی پہ تھا۔ جہاں پر دو جہاں کے آقا، نبی رحمت، محسنِ انسانیت، حبیب خدا، آمنہ کا لال عبداللہ کا جگر، عبدالمطلب کا نواسہ، ابوطالب کا بھتیجا، حلیمہ کا بیٹا، محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیے۔ اور اللہ کے دین کی مشعل کو ساری دنیا کے گھروں میں چراغ کی مانند پہونچایا۔ جس جس گھر میں یہ چراغ پہونچا اس پورے گھر کی تاریکی بھاگ گئی۔ اور وہ گھر منور ہوا۔ اس کے خانہ افراد کو اللہ نے دونوں جہان پر فتح ونصرت دی۔ دنیا کے بڑے بڑے ماہر تعلیم، سائنس دان، سیاست دان رشی منی جو غیر مسلم تھے انہوں نے اعتراف کیا۔ اگر واقعی کوئی برحق نبی ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلم ہیں۔ جنہوں نے ساری دنیا میں مساوات، انسانیت اور اخلاقی قدروں کا درس دیا۔ میں نے وضو کیا، نماز فجر قضا ادا کی۔ ایک ساتھی کو فون کیا جو مدینہ طیبہ میں رہ رہا تھا۔ اس نے مجھے وہاں ہی ٹھہرنے کے لیے کہا۔ وہ ایک ٹیکسی ساتھ لایا۔ ہمیں مسجد نبوی میں زیارت حاضری دینے کے لیے لے گیا۔ یہاں سے ہمارا مختصر سا سامان ساتھ لے گیا، ہمیں چار نمبر حمام میں پہونچایا۔ جہاں پر ہم نے غسل، وضو کیا۔ تیاری کر کے میں اور بھٹی صاحب سیدھے باب سلام سے ڈرتے ڈرتے، ساڑھے دس بجے اندر داخل ہوئے۔ السلام علیکم یا رسول اللہ۔ اس وقت بھیڑ نہ تھی۔ سوچتا تھا ہدیہ کیا پیش کروں، میرے پاس کچھ نہ تھا۔ میری نظر سیدھے قبر رسول کی جالی پر جا لگی۔ یہ بڑا عجیب لمحہ ہوتا ہے، پڑھے لکھے کی پریشانی ہے کیا وہ

یہی سمجھے کہ ہمارے تاجدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرح بیٹھے یا آرام کررہے ہیں۔ ان پڑھ تو کہہ دے گا بیٹھے ہیں لیکن ذی حس چند لمحات توقف کرے گا۔ میں سیدھے ریاض جنت میں پہونچا، وہاں کچھ نفل شکرانہ وغیرہ کے ادا کیے۔ دعائیں مانگی اس کے بعد روضہ رسول کی طرف بڑھا۔ دل میں خوف، اور آنکھیں اشک بار گناہوں پہ نادم۔ بس اسی عالم میں حج گائیڈ جیب سے نکالی۔ پہلے الصلوٰۃ والسلام پڑھنا شروع کیا۔ یوں گنگنانے لگا۔

آدب گاہست زہرے آسمان از عرش نازک تر

نفس گم کردمی آید جنید و بایزید این جا

محسوس بھی کررہا تھا۔ آقائے مدنی سن رہے ہوں گے۔ یہاں سے آگے بڑھ کر صدیق اکبر اور حضرت عمر کے روضہ پر بھی دعائیں کرتا رہا۔ لیکن اس سے تشفی نہ ہوئی۔ تو میں حفیظ جالندھری کی نعت ''سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی'' پڑھنا شروع کیا۔ اب عجیب کیفیت تھی۔ آنکھیں اشکبار، دل شرمسار میں اپنے آپ سے باہر ہوگیا، زاروقطار چیخ چلا رہا تھا۔ جذبات عشق کا بیکراں سمندر ٹھاٹھیں ماررہا تھا جیسے کہ میں کسی کی موت پر تڑپ رہا ہوں۔ اتنے میں میری نظر روضۂ رسول پر پڑھی جہاں پر قرآن پاک کی آیت کا مفہوم لکھا تھا۔ اے لوگو اپنی آواز کو نبی کی آواز سے اونچا مت کرو۔ یہ پڑھنا تھا کہ میں نے ضبط کیا۔ سپاہ نے ہجوم کو دھکیلنا شروع کیا۔ ابھی آگے بڑھ ہی رہا تھا۔ واپس پیچھے آیا اور ریاض جنت میں جگہ لے لی۔ اور بیٹھ گیا۔ میری پندرہ برس کے اندر جدائی کا غم اتنے میں تھم چکا تھا۔ دعا اور تلاوت میں تھوڑا مصروف رہا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے نیند کے جھونکے آنے لگے۔ وہاں سے اٹھ کر باب فہد کے قریب آئے وہاں ہی سو گئے۔ یہاں تک کہ اذان ظہر ہوئی،

وضو کیا اور نماز ظہر حضور کے دامن میں ادا کرنے کا موقعہ ملا۔ خانہ خدا میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تھا، اَب ساٹھ ہزار نمازوں کے ثواب کو سمٹنے میں لگ گئے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو زندگی میں مسجد نبوی اور مسجد حرام میں نمازوں کے لیے ملیں۔ بڑے بڑے بادشاہ، دولت مند، مفکر، دانشوروں کو بھی یہ نصیب نہیں ہوتا۔ اگر اللہ کی عنایت ہو تو وہ ایک گداگر کو اپنے گھر کا دیدار کرواتا ہے۔ اب ہمیں مسجد نبوی میں ایک روایت کے مطابق چالیس نمازیں ادا کرنی ہیں اس مسجد میں ایک نماز ادا کرنے کا ساٹھ ہزار نمازوں کا ثواب ہے۔ آج میں جائزہ لے رہا تھا قرآن کی یہ آیت کریم : **کلّ مومنون اخوۃ**۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ خطہ دنیا سے آئے ہوئے مسلمان دنیائے اسلام کے لوگ جب مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو صرف اللہ اکبر کے جھنڈے تلے آجاتے ہیں۔ بعد عشاء کھانا کھایا، واپسی پر حمام نمبر تیرہ کے قریب فرش رسول پر جا کر سو گئے۔ ہمارا بستر صرف چند گتے تھے جو نیچے ڈال دیئے۔ نعت کا وہ بند یاد آ ہی گیا۔

سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

تھکاوٹ بھی تھی، تپتی ہوئی سلوں پر ایسی نیند آ گئی جیسا کہ گھروں میں مخملیں بستروں پر نہ آتی۔ آج مصطفوی کوچے میں پتھروں کا فرش جس پر نہ کوئی کپڑا، نہ کوئی ذرا برابر مٹی چیز، قربان ہو جایئے اس فرش پر جہاں رحمت دو عالم خود آرام فرما رہے ہیں۔ جس طرح حرم میں اللہ کی رحمت سفید سلوں پر سلاتی ہے اسی طرح پیغمبر کی شفقت پتھروں کی سلوں پر ماں باپ کا سایہ دیتی ہے۔ گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ شب دو بجے صفائی کرمچاری آئے۔ انہوں نے اٹھنے کے لیے کہا۔ ہم دوسری جگہ جا کر سو گئے۔ چار بجے اذان تہجد

ہوئی۔ لوگ جوق در جوق مسجد میں داخل ہوجاتے ہیں۔ مسجد نبوی کے دروازے رات کے ساڑھے بارہ بجے چاروں طرف بند کر دیے جاتے ہیں۔ جب کہ حرم چاروں طرف کھلا رہتا ہے جس کا کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا ہے۔

مورخہ چھ اپریل بروز ویروار: یہاں بھی نماز تہجد کے لیے اذان ہوتی ہے۔ نماز فجر کے بعد دس بجے تک مسجد ہی میں خراٹے لگاتے رہے۔ بعد میں غسل وضو کرنے کے بعد ناشتہ کرنے گئے۔ چار ریال میں ہم نے خوب سیر ہو کر کھایا، پتہ چلا یہاں قدرے سستا کھانا ہے۔ اب میں تھوڑا گھومنے کے لیے گیا۔ مجھے ۱۹۸۵ء کی مسجد نبوی اور آج میں کافی تبدیلی دکھائی دی۔ مسجد کے قریب یہاں کچی اینٹوں کے مکان تھے۔ صحابہ ؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان تمام نیست و نابود تھے۔ مسجد کافی وسیع کی گئی ہے۔ بازار مسجد سے دور اور خوبصورت طور تیار کئے گئے ہیں۔ جدید ٹیکنیک کا اثر دکھائی دیتا ہے۔ یہی نہیں جنت البقیع کی سرحدیں کافی دور تک پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ البتہ قبروں کے نشان ویسے ہی ہیں جو پچاسی میں تھے۔ جنت البقیع کے چاروں طرف دیوار تعمیر کی گئی ہے۔ مسجد نبوی کی وسعت ضرور لیکن پہلے حصے کو نہیں چھیڑا گیا ہے اور اس کے درمیان میں مسجد اوپر سے چھت کے بغیر۔ اور اس جگہ بڑی بڑی چھتریاں لگی ہیں جو خود ہی کھلتی اور بند ہوتی ہیں۔ جن کے تلے ایک ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ مسجد کشادہ اور وسیع اندر حرکات وسکنات کے لیے آلہ جات لگائے گئے ہیں۔

روضہ رسول کے اندر اُس وقت قبروں کے نشانات کھڑے اور ان کے سروں پر دستار فضیلت رکھا تھا۔ میں نے خود جالیوں سے دیکھا تھا۔ آج جالی کے اندر کالا غلاف لٹکا ہوا دکھائی دیتا ہے اور روضہ رسول اُس غلاف کے اندر

پوشیدہ ہے میں نے زیادہ وقت ریاض الجنۃ میں ہی گذارا۔ جہاں پر میں بالکل جالی کے ساتھ ہوتا تھا لیکن مجھے کچھ دکھائی نہ دیا۔ کوشش بھی کی۔ غلاف سرکا کہ کچھ دیکھوں لیکن ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ یہاں پر تین بجے تک نوافل وغیرہ میں مصروف رہے۔ تین بجے کے قریب بہ مقام مزار رسول انگریزی میں ایک نوجوان دعا کر رہا تھا۔ لیکن اس کا تکیہ کلام کشمیری لگ رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ کہاں رہتے ہو۔ اس نے انگریزی میں جواب دیا الہند کشمیر۔ میں نے مزید گفتگو جاری رکھی۔ وہ مجھ سے زیادہ ہی متاثر ہوا۔ پتہ چلا یہ درگاہ کشمیر کے رہنے والے ہیں اور بمبئی میں تجارت کے سلسلے میں مقیم ہیں۔ اور ایک ہی کنبہ کے چار افراد حج کے لیے آئے ہیں۔ دو بہن بھائی اور والدین حج ٹور پر آئے ہوئے ہیں۔ بڑا ملنسار، خوش اخلاق تھا۔ میں نے انگریزی میں دعا کرنے کی وجہ پوچھی کہنے لگا کہ میں انگلش میڈیم بمئی کے سکول میں پڑھا ہوں، انگریزی ہی ذریعہ اظہار بنایا ہے۔ اس لیے کشمیری کے علاوہ انگریزی ہی میرا اوڑھنا بچھونا بن چکا ہے۔ گفتگو کے بعد وہ مجھے ہوٹل میں لے آیا جہاں وہ ٹھہرتا تھا۔ اس نے پہلے والدین سے ملاقات کروائی، پھر کھانا کھایا۔ بہت ہی ضیافتیں تھی اور اس حج ٹور قافلے میں بہت سے پیرو جوان مرد و زن اسّی آدمی کا قافلہ تھا، دولت، ثروت، ملنساری، وہ بھی ملنسار اور نیک سیرت دکھائی دیئے۔

اخلاقی اور اعلیٰ قدروں کے مالک چند افراد سے ملاقات ہوئی۔ فارغ ہو کر پھر ہم عصر نماز پڑھنے کے لیے حرم شریف میں جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک بہت بڑا ریلا آیا۔ ہم دونوں آپس میں بچھڑ گئے۔ پھر نہ ملے۔ میں وہ ہوٹل بھی بھول چکا تھا جہاں وہ مجھے لے گیا تھا۔ اس طرح سے ایک محسن مجھ

سے بچھڑ گیا جو نہ ملا اور ایڈریس بھی حاصل نہ کر سکا۔ مغرب اور عشاء کے درمیان ویسٹ انڈیز کا نومسلم نوجوان ملا، جس نے آٹھ سال قبل اسلام قبول کیا تھا۔ جس کا نام مسٹر محمد تھا۔ اس کی باتیں سنی۔ اور مسلمانوں کے لیے کہہ رہا تھا۔ یہ عملی طور پر کسی بھی میدان میں پورے نہیں اتر رہے ہیں اور وہ مسلم قوم کی حالتِ زار پر رو رہا تھا۔

کہہ رہا تھا شکر ہے اللہ کا جس نے مجھے مسلمان بنایا۔ میں اپنی تمام دولت اسلام کے لیے صرف کروں گا۔ جس میں پہلا کام میں نے حج کر دیا ہے۔ اس نے زندگی کے بیشتر تجربات ظاہر کیے۔ مسلمان بننے کے وجوہات کیا تھے۔ وہ چاہتا تھا اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی جان تک نچھاور کر دے گا۔ عشاء کے بعد ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ مسجد نبوی سے باہر نکلے تو ہمارا ایک سرن کوٹ لسانہ کا کشمیری بھائی ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ وہ بڑا ملنسار، خوش اخلاق اور ہمیں اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا جو پچھلے دس سالوں سے وہاں رہ رہا ہے۔ رات کو اس کے ہاں قیام و طعام ہوا۔ اس نے بہترین خدمت کی۔ بار الہا میں ان لوگوں کا حق کیسے ادا کروں جو ایک ماہ سے میری خدمت کر رہے ہیں۔ دنیا میں بڑے نیک لوگ ہوتے ہیں جو غیروں کے لیے جیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک پاکستانی بھائی بھی رہ رہے ہیں۔ وہ اخلاقی قدروں سے قدرے پرے تھا، میں نے گفتگو کے دوران پوچھا آپ کہاں رہتے ہو۔ اس نے جواب میں پنڈی کہا۔ اس کے جواب کے مطابق میں نے اُس سے کلام جاری رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ یہاں بھی انہوں نے بہت سی ضیافتیں پیش کی۔ رات ایک بجے سوئے اور صبح چار بجے پھر آستانہ حضور پر حاضری دی۔

شکروار: بعد نماز فجر چند گھنٹے مسجد نبوی میں آرام کیا۔ غسل وغیرہ کرنے کے بعد میں نے کوشش کی ریاض الجنۃ میں جگہ ملے۔ اللہ کی مدد سے مجھے جگہ مل ہی گئی۔ ایک ظاہرانہ نظام ہے پیغمبر کی سنت وحدانیت کے بقول۔ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان والی جگہ جنت کا ٹکڑا ہے۔

اس نسبت سے ہر حاجی کی تڑپ رہتی ہے کہ وہ ریاض الجنۃ میں نماز ادا کرے۔ کافی تکلیف اور پریشانی کا سامان کرنا پڑتا ہے۔ میں محسوس کر رہا تھا لوگ کتنے خود غرض ہوتے ہیں۔ ایک پاکستانی بھائی سے مجھے بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔ اور اس نے کوشش کی یہ یہاں ٹکنے نہ پایئے لیکن اللہ کی عنایت ہو تو پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ حجر اسود کو بوسہ دینا اور ریاض الجنۃ میں جگہ ڈھونڈ نکالنا۔ یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ میں یہ بھی محسوس کر رہا تھا اگر یہاں یہ عالم ہے تو قیامت کے دن کا کیا حال ہوگا۔ یہ میرے لیے بھی مسرت کا موقعہ تھا کہ اللہ نے پھر ایک جمعہ کا دن ریاض الجنۃ میں نماز ادا کرنے کا موقعہ دیا ہے۔ حشر میں جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا ہر بشر پانی کی ایک بوند، ایک انچ سایہ کے لیے ایک ذرہ برابر عمل کے لیے ترس رہا ہوگا۔ بڑی کوفت ہوئی نماز ادا کرنے میں۔ پاکستانی بھائی نے پھر بھی اللہ کا شکر ہے۔ قیامت کے دن میرا شمار۔ بھی اللہ اس جگہ نماز ادا کرنے والوں میں رکھے گا۔ نماز کی قبولیت کا کام اللہ کے سپرد ہے۔ دل کو تسلی ہوتی ہے جیسے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرنا ہی اللہ کی عنایت کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ فارغ ہونے پر مصطفیٰ کے کوچے قبر اطہر پر حاضری دی۔ خوب آنسو تر کیے اور محسوس ہوتا تھا حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

باب جبریل سے باہر آئے۔ جنت البقیع میں حاضری دی۔ حجاج جوق در

جوق صحابہ اور خانوادہ رسول کی قبروں پر حاضری دیتے ہیں۔ شام تک مسافرانِ حرم سے ملتا رہا۔ وہ پوچھتے تم کہاں سے آئے ہو میں کہتا الھند فی الکشمیر ۔وہ حیران رہ جاتے، یہ لفظ ضرور دہراتے۔مجاہدین کفار طالبان وغیرہ کے الفاظ دہراتے۔ کچھ مسلمانوں کے متعلق بات ہوتی، میرے حصے میں صرف تعلیم آئی ہے۔میں ان کو یہی کہتا مسلمان تعلیم میں بہت پیچھے ہے۔ میں ہر فرد بشر سے صرف مسلمانوں کی تعلیمی پستی کی بات ہی اُچھالتا، زیر بحث لاتا تھا۔ اگرچہ میں عملی طور پر اس میں بھی اتنا موثر ثابت نہ ہوسکا جو میرے دیرینہ خیالات تھے۔

بعد نماز عشاء میری ملاقات ایک ذہن دور اندیش، مخلص، صاحب علم، شریف نفس ساتھی جناب عبدالطیف الکندی صاحب سے ہوئی۔ یہ پچھلے سترہ سال سے مدینہ یونیورسٹی میں ہیں اور اب ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کررہے ہیں۔ یہ آخری سال ہے۔عربی زبان پر گہری دسترس ہے۔ ضلع ڈوڈہ کے رہنے والے ہیں۔انہوں نے یونیورسٹی میں آنے کی دعوت دی۔ان کے ساتھ کشمیر کے اور بھی طلباء تھے۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد کھانا کھایا اور پھر صحن نبوی میں سو گئے۔ مدینہ طیبہ میں آج چیزوں کی قیمت مکہ مکرمہ سے اونچی ہے زندگی اس کو مل گئی ،جس کو مسجد حرم اور مسجد نبوی میں گذارنے کا موقع ملے۔

سنیچروار: آج ہم نے فیصلہ کیا کہ باہر کی زیارتوں پر جایا جاے۔گاڑی والے سے دس ریال کرایہ مقرر ہوا۔ بدنصیبی ڈرائیور عربی سواریاں مصری تھی۔ یہ دونوں ہمارے لیے پریشانی کا باعث بنی۔ وہ کوئی بھی بات ہماری نہیں سنتے۔ ہم چار ہندوستانی لوگ تھے جوں توں ڈرائیور ہمیں غزوہ احد پر لے

آیا۔ جہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر مقرب ستر شہداء شہید ہوئے اور حضور کا دندان مبارک بھی شہید ا ہوا تھا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں دشمنان اسلام کو بھگایا گیا۔ اور چند صحابہ کو بتایا گیا کہ آپ اس درہ میں رہیں جب تک دوسرا حکم ملے گا۔ باقی صحابہ مال غنیمت اور دیگر چیزوں کو سمیٹنے میں لگ گئے، وہ محافظ بھی لوٹ آئے۔ اور وہ بھی اسی کام میں لگ گئے۔ پیچھے سے دشمنوں نے دیکھا راستہ خالی پڑا ہوا ہے۔ واپس لوٹے حملہ کر دیا۔ خون ریز جنگ ہوئی۔ نتیجتاً مقرب صحابہ شہید ہوئے۔ پچاسی میں یہ کھلا میدان تھا، صرف چھوٹی سی کچی دیوار ارد گرد تھی۔ آج چھ فٹ کے قریب دیوار ہے دروازہ جنگلے سے بند، فاتحہ خوانی کی۔ دل چاہتا تھا کہ مقام احد پر پہونچا جائے اور دیکھا جائے جہاں دشمن اسلام نے وار کیا تھا۔ لیکن ڈرائیور بالکل نہ مانا۔ یہاں سے نکل کر ہم مسجد قبلتین میں پہونچے۔ یہ وہ مسجد ہے جس میں دو محراب ہوا کرتے تھے۔ ایک بند کیا گیا ہے۔ یہ وہی مسجد شریف ہے جس میں نماز پڑھتے پڑھتے حکم ہوا کہ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ جو مکہ میں ہے اس کی طرف منہ کرو۔ نتیجتاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوران نماز صحابہ کرام کے ساتھ خانہ کعبہ کا رخ کیا تھا اور حکم دیا کہ اب اس کی طرف محراب بنایا جاوے۔ ہم نے کچھ نفل ادا کیے اور پہلے محراب پر لکھا ہوا تھا۔ **فویل وجهك شطر المسجد الحرام الا مسجد اقصیٰ۔** اے محمدؐ اپنا رخ موڑ دو مسجد حرام کی طرف بجائے مسجد اقصیٰ سے۔ جو تیری دیرینہ تڑپ خواہش تھی۔ خوبصورت مسجد ہے باہر نکلنے کا جی نہیں چاہتا ہے۔ نماز دعاؤں کے بعد باہر نکل آئے آگے، مصری حجاج اور ڈرائیور انتظار کر رہے تھے۔ یہاں سے مسجد سبعہ سات مسجدیں وہاں پہونچے یہ مقام خندق ہے۔ یہ مدینہ سے دو کلومیٹر دور

ہے۔ یہاں جنگ خندق لڑی گئی تھی، یہاں پر مسجد علی، فاطمہ، ابوبکر، سلمان فارسی، عمر اور محمد بھی یہ چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہیں اب آہستہ آہستہ بوسیدہ ہو چکی ہیں کسی کی چھت کسی کی دیوار کسی کا صحن خیر ہم نے ہر مسجد میں دو دو نفل ادا کیے کچھ وقت لگ گیا۔ اتنے میں ڈرائیور ہماری تلاش میں سرگرداں تھا۔

وہاں پہونچے تو مصری ہم پر برس پڑے ''ہذا مشرکین'' ''انتم ہندی مشرکین'' کچھ عربی میں گالیاں بھی بک رہے تھے۔ میں نے مصری قوم کے لیے سنا تھا۔ یہ ٹھیک نہیں ہوتے اور نشاندہی سے بھی ایسے ہی لگے۔ یہاں سے نکل کر ہم مسجد قبا پہونچے۔ بڑی خوبصورت، حسین وجمیل، برکتوں والی مسجد ہے۔ یہی وہ مسجد ہے جہاں سے مدینہ میں اسلام کو نصرت ملی۔ مدینہ میں پہلا خانہ خدا تعمیر ہوا اور خود رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے مسجد کی تعمیر میں کام کیا ہے۔ اس مسجد میں دو نفل نماز ادا کرنا ایسا ہے جیسا ایک عمرہ ادا کرنا ہو۔ کچھ نوافل ادا کر کے پوری مسجد شریف کا چکر لگایا۔ دعا وغیرہ سے فارغ ہو کر جلدی باہر نکل آئے۔ اب عربی ہم سے کرایہ وصول کر چکا تھا۔ پہلے عربی کو ہماری فکر تھی، اب ہمیں عربی کی فکر ہو گئی۔ لیکن یہاں پر مصری خواتین نے بہت وقت لگایا۔ عربی مزدوری بھی بعد میں لیتے ہیں اور گاڑی کبھی بھی جلدی نہیں نکالتے ہیں۔ کچھ گاڑیوں میں انٹری پوائنٹ پر ڈبہ لگا ہوتا ہے۔ مسافر اس میں کرایہ خود ڈال دیتے ہیں۔ کنڈیکٹر وغیرہ کم ہی ہوتے ہیں۔ منیٰ، مزدلفہ، عرفات جیسے مقامات پر ہی کنڈیکٹر ملیں گے۔ ورنہ کہیں کہیں بھی نہیں۔ جہاں آج مسجد جمعہ کے نام سے شہرت پذیر ہے۔ یہ اسلام کی تاریخ میں پہلا جمعہ تھا جو حضور نے صحابہ کے ساتھ ادا فرمایا۔ ایک فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرما کر اہل ایمان کے دلوں کو منور فرمایا۔ یہاں بھی دو نوافل شکرانہ کے طور ادا کیے۔

یہاں سے نکل کر مسجد جمعہ میں پہونچے۔ جہاں پر رسول رحمت نے پہلا جمعہ مدینہ طیبہ کے اندر پڑھایا تھا۔ پھر سیدھے مسجد نبوی پہونچے نماز ظہر کی اذان ہورہی تھی۔ نماز میں شریک ہوئے۔ ریاض الجنۃ میں ظہر سے لے کر عشاء تک۔ مکہ ہو یا مدینہ یہی دنیا کے دو بڑے شہر ہیں جہاں پر تمام عالم سے آئے ہوئے لوگ جمع ہوتے ہیں اور اُن کے خدوخال تہذیب، لباس، زبان اپنے اپنے ملکوں کی ثقافت کو پیش کرتے ہیں دنیا کی کم وبیش تین لاکھ زبانیں ہیں اور میں دیکھ رہا تھا۔ ہر زائر اپنی زبان میں اللہ کے سامنے گڑگڑاتا دعائیں مانگتا رہتا ہے۔

ماضی کی خرابیوں پر اشک ندامت۔ اللہ سے عاجزی وبخشش کی جستجو میں حضور کے دامن میں بیٹھا رہا۔ یہاں پر ایک پاکستانی سے ملاقات ہوئی۔ میں اور وہ جالی رسول کے ساتھ تین دِنوں سے بیٹھے رہتے تھے۔ اس نے بتایا۔ میں سات آٹھ سالوں سے حج وعمرے پر لگاتار آرہا ہوں اور یہاں ہی جگہ ملتی ہے۔ میری دیرینہ تڑپ ہے کہ مجھے زیارت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوجائے، دس دنوں سے یہاں ہی بیٹھا ہوں۔ میری آخری کوشش ہے جس دن مجھے وہ خوش نصیب لمحہ مل گیا۔ میں اسی دن چلا جاؤں گا۔ پھر کیا تھا دوسرے دن وہ شخص مجھے نہ ملا میں نے کافی تلاش کیا جس جگہ ریاض الجنۃ میں وہ بیٹھتا تھا میں بھی وہاں ہی حاضری دیتا تھا۔ اللہ نے اس کی دلی مراد پوری کردی۔ اور اس کو کسی نے بتایا تھا جو چار دن تیسرے کے ساتھ بیٹھے گا اس کو ہلنے نہ دینا۔ چار دن ہم دونوں ظہر سے عشاء تک ایک ہی مقام پر ریاض الجنۃ میں جالی رسول کے ساتھ بیٹھے رہے اور یہاں تک وہ مجھے اپنے سے ہلنے نہ دیتا تھا۔ مجھے ایک دن ظہر میں وعدہ خلافی ہوئی، ظہر کسی اور جگہ پڑھی، تب بھی عشاء کی

نماز کے بعد ہم دونوں وہاں سے نکلتے تھے۔ خیر یہاں سے فارغ ہونے پر کھانا کھایا اور پھر تیرہ نمبر کے قریب جا کر سو گئے، رات کے بارہ بج چکے ہیں۔

نو اپریل اتوار تھا۔ اپنے کام میں مصروف رہے۔ آج جی چاہا مدینہ طیبہ کے نورانی بازار گلی کوچوں کو بھی دیکھو۔ طیبہ سے پہلے اس کا نام یثرب تھا۔ آقائے دو جہاں نے اس کا نام یثرب سے طیبہ رکھ دیا۔ سرزمین عرب میں جہاں مکۃ المکرمہ مرجع خلائق ہے وہاں مدینہ طیبہ زاد اللہ تعظیماً وتشریفاً و تکریماً بھی خلقِ خداوندی کا ملجا و ماویٰ ہے۔ یہ مقدس شہر رفعت و عظمت اور شرف میں اپنی نظیر نہیں رکھتا ہے، اس کا مبارک نام جو ہر مسلمان کا حرزِ جان ہے مدینہ منورہ ہے۔ طیب پاکیزگی نظامت وطہارت، نزاکت شرافت اس مقدس شہر کی خوبیاں ہیں۔ شکستہ ولان غریب کو مالدار اور بے کسوں فقیروں کو سہارا دینا۔ اس بلد عظیم کی خاصیت ہے جو نورانیت اور شرافت وہاں نظر آتی ہے وہ اسی مقام کی حسن زیبائی ہے۔ یہاں برکات اور روحانی لذتوں کی بے حد فراوانی ہے ہر مومن کا دل اس کی محبت سے لبریز ہے۔ پورا شہر روحانی فیوض برکات سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ صرف رسول رحمت کی وجہ سے حجاج تحفتاً محمدؐ کے شہر سے چیزیں خرید کرتے ہیں اور پھر دنیا کے کونے کونے میں سوغاتوں کے طور پہونچاتے ہیں۔ خوشی ہوتی نماز ظہر میں اپنی جگہ بیٹھ ہی گیا تھا۔ سوالات کافی ذہن میں گونج رہے تھے۔ سوچتا تھا کہوں، تو کس سے کہوں اللہ بھی دور نہیں ہے محمد کی گود میں بیٹھا ہوں کیا پیغمبر میری آواز کو سن رہے ہیں کہ نہیں وہ کہاں کس کیفیت میں سوالات بہت سے جوابات صفرِ مکہ سے نکلتے ہوئے میں نے مفتی عرب کا ایک مضمون پڑا تھا۔ جب حضور پر اُمت درود بھیجتی ہے تو ان کی روح لٹائی جاتی ہے۔

ایک مولوی صاحب بھی باب جبرئیل کے باہر تقریر کر رہے تھے یہ پاکستانی مولوی تھے اور یہ بھی یہی کہہ رہے تھے جو مدینہ یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ اردو نیوز مکہ مفتی عرب مولانا عبدالعزیز کی تحریر سے پڑھا۔ میں سوچتا تھا یہ لوگ کیا کہتے ہیں شاید دین کو انہوں نے سمجھ لیا ہے۔ میرا خیال یہی تھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن رہے ہیں۔ اگر مولانا جامی کی وہ نعت یا واقعہ صحیح ہے کہ والی مدینہ کو خواب میں حکم ہوتا ہے کہ ایک معشوق آرہا ہے جو کہنیوں کے بل چل رہا ہے۔ اس کو کھڑے کرو اور روضے پر حاضر کرو۔ تو معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ میری ایمانی کیفیت یہی تھی۔ کہ حضور ہماری ساری حرکات وسکنات مدینہ طیبہ میں سن اور دیکھ رہے ہیں۔ جو ہم ان کے روضے پر پیش کرتے ہیں بدنصیبی سے لگ رہی ہے۔ کچھ علماء نے دین کی شکل ہی تبدیل کر کے پیش کی۔ اہل عرب والوں نے کافی تبدیلیاں درستی کی ہیں۔ ہمارے پاکیزہ خیالات اسلام یا آقا کے لیے کیسے ہیں ان پر بڑی ٹھیس پہونچتی ہے۔ حرم پاک ہو یا مسجد نبوی، عربی قوم نے ہر دو مقام پر ہر قسم کی سیرتی تقاریر، سوال و جواب، درس حدیث، درس قرآن، دیگر موضوعات پر خوب کام کر رہے ہیں اور اگر دو مہینے ان کی کلاس میں لگاتار بیٹھا جائے تو بہترین معلومات ہی نہیں ایک عالم دین کی شکل اختیار کرے گا۔ مجھے ایسا ہی لگا۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں صحابہ کی محفلیں مسجدوں میں سجتی تھی اور پیغمبر سے سوال و جواب کرتے اور مستفید ہوتے۔ وہی سلسلہ مسجد نبوی اور مسجد حرم کے اندر چھوٹی ٹولیوں میں بچے بزرگ بیٹھے اور سن رہے ہیں۔ اس عالم کی محفل میں بیٹھ کر روحانی زندگی بنتی ہے مجھے بھی دو چار نشستیں ملی۔ اگرچہ تمام عربی میں بول رہے تھے۔ ایک ایک لفظ پر اتنی بحث ہو رہی تھی کہ کتابوں کا ذخیرہ جمع ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ

حرمین مساجد کا مجھے بہت اچھا لگا۔ اُردو کا لٹریچر انہوں نے حج کے متعلق مجھے بعد میں دیا۔ عجمی یا اہل ہند کی پریشانی ہے کہ ہم نے عربی پر محنت نہ کی۔ اور اس کو ذریعہ اظہار نہ بنا سکے۔ نیتجتاً ہم گونگے، اندھے ہیں۔ وہ قرآن جو مسلمانوں کی زبان تھی اس کو چھوڑ کر مسلمانوں نے علاقائی ہندی، انگریزی، اُردو اور دیگر زبانوں پر توجہ دی اور ان ہی کو ذریعہ اظہار بنایا۔ آج بھی عشاء کی تقریر سنی، کچھ اختلاف پر مبنی تھی۔ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کی بات کر رہا تھا۔ اور قیامت کے ہی دن وہ سفارش کریں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ناراض ہوں گے۔ پھر حضور سجدہ میں پڑ جائیں گے۔ یہاں تک وہ سر نہ اٹھائیں گے جب اللہ پاک ان کی سفارش قبول نہ کرے گا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائیں گے اے محمد اب تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ اب سر کو سجدہ سے اٹھا لیجئے گا۔ پھر حضور سر سجدہ سے اٹھائیں گے۔ اتنے میں حضور کی امت کو جہنم کی آگ سے نجات ملے گی۔ اس کے برعکس ہماری کیفیت کچھ ایسی ہے بقول علامہ اقبالؒ

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمین سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

دس اپریل: آج حسب معمول اپنے معمولات سے فارغ ہو کر میں نے بہتر سمجھا کہ جامعہ اسلامیہ جایا جائے۔ گاڑی والے نے غالباً دو ریال لیے اور جامعہ اسلامیہ کے گیٹ پر پہونچا دیا۔ بڑی خوشی اُس وقت ہوتی ہے۔ جب کوئی قوم، نسل، ملک و ملت جو تعلیم کو اوڑھنا بچھونا بنائیں، تعلیم ہر حال میں افراد اور قوموں کی اصلاح کرتی ہے۔ اونچی تعلیم قوموں اور ملکوں کی ترقی میں پروان چڑھاتی ہے۔ افراد کے مستقبل کو روشن کرتی ہے۔ عظیم سائنس

دان سیاست دان بہترین قومیں تعلیم کی دین ہوتی ہیں۔ پندرہ سالوں سے مجھے بھی شوق ہوا کہ ہمارے لوگ بھی تعلیم کے میدان میں ترقی کریں۔ مسلم قوم میں تعلیمی شعور، سماجی برابری اور نسلوں کی آبیاری کرنے کا فقدان ہے۔ پہلے تو شعوری طور پر کم توجہ دیں گے۔ اگر غلطی سے کچھ لوگ حصہ لے لیں۔ دوسرا گروپ تیار ہوجاتا ہے اس کو کیسے گرایا جائے۔ نتیجتاً وہ تحریک کام سماج کی غلطیوں کی وجہ سے پروان نہیں چڑھتے ہیں جو امت مسلمہ کا مجموعی کام ہوتا ہے جیسا کہ عربوں کو اللہ نے دولت سے نوازا ہے۔ کاش تعلیم کے میدان میں وہ تھوڑی دلچسپی لے لیتے۔ دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہ کرسکتی، اللہ کوئی نہ کوئی کمی ضرور رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک عربوں کو سائنسی علوم ٹیکنالوجی اور دنیاوی تعلیم میں کافی پسماندگی ہے۔ اگرچہ اب کوشش جاری ہے میری وابستگی کچھ اداروں، دفتروں، سکولوں، کاروباری معاملات سے رہی۔ وہ عربی زبان کے علاوہ کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی شائد ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ یہ ایک المیہ ہے عرب قوم دولت کے نشے میں چور تعلیم سے کوسوں دور، خیر میں جوں ہی جامعہ اسلامیہ یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ پورے عالم کے مختلف خطوں سے آئے ہوئے نور نظر اس باغ میں رنگا رنگ پھولوں کی مہک یہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے، یہاں ایک ہی زبان، ایک ہی لباس سے لگتا ہے عالم اسلام میں کوئی تفاوت کوئی جملہ قرآن کے بمصداق ہے ''کل مومنون اخوۃ''۔ میں دو کلاسوں میں گیا۔ پروفیسر صاحبان محو لیکچر تھے۔ عربی طلباء لکھ رہے تھے کچھ سوال وجواب میں مصروف تھے۔ ہر کلاس کے باہر نوٹس بورڈ لگا ہوا ہے۔ جس میں مختلف قسم کے نوٹس لگے تھے، جو کشیدہ عربی میں لکھے گئے تھے۔

ایک کلاس میں جا بیٹھا دیکھ رہا تھا طلباء اور اساتذہ کس قدر مصروف تھے۔ وہ مجھے نہ جاں سکے میری مدد کے لیے ایک کشمیری بھائی تھے جو میرے ساتھ چل رہے تھے۔ اس کے بعد ہم جناب ڈاکٹر لطیف الکندی صاحب کی تلاش میں نکلے۔ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ کمرہ لائبریری لیبارٹری کنٹین، اساتذہ روم چھان مارا وہ اپنے گائیڈ کے ساتھ مصروف تھے۔ آخر ملاقات ہو ہی گئی، گلے ملے، سلام وکلام کے بعد پہلے کنٹین میں لے گئے جہاں ناشتہ کیا۔ اسی دوران انہوں نے بہت سے مسائل اُبھارے کشمیر سے سعودی عرب تک سینئر طلباء ہونے کے ناطے ہر ایک ان کے پاس آتا۔ ادب سے سلام کرتا اور میرے متعلق پوچھ گچھ ہوتی۔ بہت سے نوجوان ہماری گفتگو میں شریک ہوئے۔ وہ بنیادی طور سلفی ہیں۔ اس لیے مسائل بھی سلفی ہی کے تھے۔ میں ایک اَن پڑھ جاہل اہل علم کے بیچ تھا۔ اب تا حال دین یا عربی سے دل لگی ہے۔ اس لیے علم کو چھیڑ دیتا ہوں، پھر اُن سے مستفید ہوتا رہتا ہوں جب تک وہ پیاس بجھے۔

یہاں سے جلد ہی ہم لائبریری کو دیکھنے کے لیے چلے گئے۔ بہت بڑی لائبریری ہے۔ ہر علوم کی اپنی اپنی لائبریری کتب ہیں۔ فقہ، حدیث، تمام کے اپنے اپنے ہال میں جہاں طلباء جا کر کتابیں ڈھونڈ نکالتے ہیں پھر پانچ چھ گھنٹے ایک ہی جگہ بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ یہ تمام طلباء ڈاکٹریٹ کی ڈگری کر رہے تھے، میں فقہ کی لائبریری کا مشاہدہ کر ہی رہا تھا۔ اتنے میں اذان ظہر ہوئی۔ اب کیا دیکھتا ہوں تمام دوڑے ہوئے جا رہے تھے۔ ہم بھی بعد وضو مسجد میں داخل ہو گئے۔ بڑی خوبصورت دلکش اور حسین مسجد یونیورسٹی کے درمیان میں ہے۔ جس میں دو تین ہزار لوگ بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مخملیں نرم

ملائم، قالین بچھی ہوئی ہے۔ ہم نے سنتیں بھی ادا کی ہی تھی۔ اتنے میں مسجد کھچا کھچ بھر گئی کیا دیکھا شیخ جامعہ وائس چانسلر صاحب نے آکر امامت کی اور تمام پروفیسر مدرسین، ملازمین اور طلباء پیچھے جماعت کے لیے کھڑے تھے۔ آپ خود اندازہ لگائیے جہاں پر شیخ جامعہ امام ہوں۔ پھر تشنگان علم کا کیا حال ہوگا۔ اللہ ان کی بخشش کرے گا یا کہ یہاں پر جب کہ پروفیسر، ماسٹر، طلباء کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہیں اور پھر نماز کوئی ادا کرتا ہے۔ اس یونیورسٹی میں غالباً چھ ہزار سے زیادہ طلباء مختلف علوم حاصل کر رہے ہیں۔ اس طرح سے دین کی خدمت بھی ہو رہی ہے۔ اس واقعہ نے میرے اندر کی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ میں اس سے قبل بھی مکہ کے ایک سکول میں گیا تھا اور تمام طلباء اپنی اپنی جائے نماز لیے ہوئے اپنے کلاس روم میں امام حرم کے پیچھے نماز ظہر ادا کر رہے تھے۔ اگر تربیت ایسی ہوگی، تو جنت کے حق دار بھی وہی لوگ ہوں گے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد پھر لائبریری میں گیا۔ کافی کتابوں رسالوں اخبارات کے نام وغیرہ لکھے لیکن بے سود۔ وہ کوئی بھی کتاب یہاں نہیں ملتی۔ یہاں سے جناب ڈاکٹر الکندی صاحب اپنے کمرے میں لے گئے، وہاں ان کی نجی لائبریری میں بھی تقریباً دو ہزار کتابیں تھی۔ طالب علم کی زندگی صرف کتابیں ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں جو طالب علم زندگی میں کتاب کو دوست بنائے گا۔ وہ دنیا اور آخرت میں عزت پائے گا۔ میں الکندی صاحب کی قیمتی باتیں بھی سن رہا تھا اور ان کی کتابیں بھی چھانٹ رہا تھا۔ تمام تر عربی میں تھی۔ اِسی دوران ایک ہندی بھائی نے ہمارے لیے کھانا تیار کیا۔ کھانا کھایا جس میں مرغی، دودھ ملائی، سبزی، گوشت اور نہ جانے کیا کیا تھا۔ میں شرمندہ ہوا۔ میں ان لوگوں کا حق کب ادا کروں گا جن لوگوں نے اس دیار غیر مکہ اور

مدینہ میں میری خاطر تواضع کی۔ اسکے بعد دینی مسائل زیر بحث آئے۔ انہوں نے سلفیت پر کام کرنے کے لیے کہا۔ بہت مسائل بھی انہوں نے پیش کئے جو ایک جہاد سے کم نہیں تھے۔ اس کے بعد کچھ آرگنائزیشن کے ایڈرس لکھ کر دیئے۔ اور یہ کہا ان سے موقع ملے تو رابطہ کریں۔ اس طرح سے اب عصر کی نماز کا وقت قریب تھا۔ میں نے اجازت طلب کی۔ انہوں نے دوسرے ساتھی کو میرے ساتھ گاڑی پہ چڑھانے کے لیے بھیجا اور یہ بھی کہا کل ہم آپ کو مسجد نبوی باب جبریل کے پاس ملیں گے۔ میں ٹیکسی پر بیٹھ گیا۔ دو ریال کرایہ ادا کیا۔ نماز عصر ہو رہی تھی کہ میں بھی صحن مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ آج کا دن نہایت ہی خوب گذرا، ایسا لگا جیسا کہ پیاس لگی تھی۔ اور خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ بعد نمازِ عصر، مسجد عمر، مسجد علی، مسجد ابوبکر کی زیارت کی، نہایت ہی سادہ پاکیزہ اور روحانی فیوض سے بھری ہوئی ہم زائرین کی روح کو سکون میسر کرتی ہیں۔ یہاں سے ہو کر بازار طیبہ کا طواف کیا۔ پرُ رونق، خوبصورت، مارکٹیں، مدینیہ طیبہ کی گلیاں، ہر زائر کو اپنی طرف بلاتی ہیں اور کہتی ہے۔

منگلوار گیارہ اپریل: معمول کے مطابق تہجد سے عشاء تک تمام نمازیں مسجد نبوی میں ادا کی۔ نا معلوم مسلمان مدینہ جا کر ہی کیوں نمازیں ادا کرتے ہیں۔ اور چالیس نمازوں کو ادا کرنے میں سخت کوشاں رہتے ہیں۔ کیا پوری زندگی کی نمازوں کا حساب کیا ہے۔ کتنی قضا ادا ہوئی اور کتنے ہیں جو سرے سے ہی اس معاملے میں پڑھتے ہی نہیں۔ کیا خدا کے ہاں ان نمازوں کا حساب و کتاب ہے۔ جس نے جان بوجھ کر ایک نماز چھوڑ دی۔ وہ کافر ہو گیا۔ (القرآن) نماز جنت کی کنجی ہے۔ نماز ہی مسلم اور غیر مسلم میں فرق ظاہر کرتی ہے۔ نماز دین کا ستون ہے۔ نماز بے حیائی اور برائی سے

بچاتی ہے (الحدیث) گویا نماز ہی ایک ایسی دیوار ہے جو ایمان کی کسوٹی پر پورا اترتی ہے۔ قبر کے عذاب سے بچاتی، جنت کا حق دار بناتی، میں بھی نمازوں کے اہتمام میں مصروف ویسے تو ہوش میں آ کر کوئی نماز چھوڑی تو نہیں لیکن بچپنے میں یا انجانے میں نہ جانے کتنی ہی نمازیں میں نے بھی نجی و دنیاوی معاملات کی نذر کر دی۔ اللہ معاف کرے اور آئندہ حفاظت فرمائے۔ بعد عشاء ایک صاحب نے دعوت پر بلایا۔ رات کے بارہ بجے دعوت کا اہتمام ہوا۔ جس میں بہت سی ضیافتیں تھی۔ ہم پہلے کھانا کھا چکے تھے۔ ہم نے اعتراض کیا کہ ہم نہیں کھائیں گے۔ ایک پاکستانی صاحب بھی ہماری دعوت کے اہتمام میں شریک تھا۔ تو اس نے کہا اگر کھانا نہ کھاؤ گے تو اس کا بل ادا کر دو۔ مجبوری سے دوبارہ شریک ہونا پڑا۔

رات ساڑھے بارہ بجے کے قریب ایک مارکیٹ سے گذر ہو رہا تھا، جو دیکھا، خواتین کالے برقعے پہنے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں تھیں۔ ہر ایک کے ساتھ پانچ چھ بچے تھے۔ جو تمام حسین و جمیل، صحت مند، دکھائی دیتے تھے۔ میرے دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ مدینہ اور مکہ کی عورتیں ہمیشہ رات کو ہی خرید و فروخت کرتی ہیں۔ ان کی وجہ سے یہ مارکیٹیں رات کو اکثر کھلی رہتی ہیں۔ میں دیکھ رہا تھا ہر ایک کی گاڑی ساتھ تھی۔ جس میں ڈرائیور بیٹھے ہوئے تھے اور یہ بچے اور ان کی مائیں بہنیں ان کی من پسند کپڑوں کی خریداری کر رہے تھے۔ یہ مارکیٹ صرف کپڑوں کی تھی۔ اور ہمیں دعوت بھی اسی مارکیٹ میں دی گئی تھی۔ جہاں پر ہم نے سامان بھی رکھا ہوا تھا۔ اس طرح رات ڈیڑھ بجے کے قریب وہاں سے فارغ ہوئے اور پھر سو گئے۔ دعوت والے بڑے سخت مزاج کے آدمی تھے، پاکستان کے رہنے والے اور مدینہ

میں مدت سے رہ رہے ہیں۔ ایسا لگا مزاج میں تبدیلی نہ آئی، خیر رات گذری۔ صبح تہجد میں شریک ہوئے اور نماز صبح ادا کی۔

بدھوار، ۱۲/اپریل: معمول کے مطابق مصروف رہے۔ آج بازار مدینہ کا آخری دیدار کیا۔ کچھ چیزیں خرید کی جس میں کھجور تسوی، اور جائے نماز وغیرہ تھی۔ پورے مدینے طیبہ کو دیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اب کچھ حد تک آپ گھوم سکتے ہیں۔ اسی طرح آج میں نے ایسی مارکٹیں بھی دیکھی جو اس سے قبل کبھی نہ دیکھ پایا۔ غیر ملکی خرید و فروخت کا کیا کہنا۔ دنیا کی ہر چیز دستیاب ہوتی ہے وہاں عقل حیران رہ جاتی ہے کہ کیا کیا جاسکے۔ چیزیں سستی لیکن کرنسی بڑی جرأت نہیں پڑتی ہے، صرف امیر لوگ ہی خرید سکتے ہیں۔ معلم کے دفتر میں گیا۔ وہاں سے واپسی کا فارم بنوایا۔ ۱۳/ مارچ کو ہماری بھی چالیس نمازیں پوری ہورہی تھی۔ اب تیاری اور آج رخصتی کا بھی دن تھا۔ آج تاجدار مدنی کی گلیوں کی خاک چھاننی۔ ہر گلی کے اندر، اللہ کا ذکر اذکار کا حق ادا ہو رہا تھا۔ مسجدیں، درس گاہیں، اخلاقیات، اسلامیات، سچائی اور توحید کے نغمے سنائی دے رہے تھے۔ رسول کی محفل سجی ہوئی تھی، اللہ والے روضۂ رسول، کوچہ رسول میں دعاؤں کا نذرانہ پیش کررہے ہیں۔ وصل سے فراق کے لمحوں کا نذرانہ اشک بار آنسوں سے نچھاور کررہے ہیں۔ درود و مناجات کے بعد آج بھی رات ایک بجے ہم صحن مسجد نبوی میں بعد طعام جاکر سو گئے۔

ویروار، ۱۳/اپریل: آج طیبہ کی نگری سے ہم بچھڑ رہے تھے۔ مہمان رسول رخصت ہورہے تھے۔ عشق و محبت میں چند گھڑیاں رہ گئی تھی۔ تہجد اور فجر کی نمازیں مسجد نبوی میں نصیب تھی۔ تڑپ، جلن، محبت، سوز و گداز نے خاکسار کو بھی مسحور کردیا تھا۔ پھر بھی اگر چہ دیدار مصطفیٰ سے فیضیاب نہ ہوسکا۔

البتہ یہ شوق لے کر کہ میرے سارے گناہ دھل چکے تھے۔ وہ رفتہ رفتہ سفید ململ کی طرح عکس ڈالے جا رہے تھے۔ ساٹھ ہزار نمازوں کا ثواب بند ہو گیا تھا۔ انوار رحمت کی بارش تھم چکی تھی۔ میرے اور آقا کے درمیان دوریاں آہستہ آہستہ حامل ہو رہی تھی۔ میری خوش نصیبی بد نصیبی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ آقا کے سائے تلے چند دن گذارنے کی مدت ختم ہو چکی تھی۔ یخ بستہ ہوائیں اولوں اور سخت دھوپ کو سہنے کے دن آ چکے تھے۔ رحمت کے گھٹا ٹوپ بادل تھم چکے تھے۔ جس میں آٹھ دنوں سے نہا رہا تھا۔ میرا داغدار دامن اب امید کی کرنوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔ یکا یک حکم ہوا کہ مدینہ چھوڑ دو، اپنے مارو طن میں ہی جا کر پناہ لو۔

میں نے بعد نماز فجر ریاض الجنۃ میں چند نفل ادا کیے۔ دعاؤں میں مصروف ہو گیا۔ پھر حضور کے آستانہ جالیوں سے دیکھنا شروع کیا، پھر برجستہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا شروع کر دیا۔ خوب پڑھتا رہا۔ ابھی میری کیفیت وہ نہ تھی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ میرے آنسو خشک تھے۔ شائد بے ادبی کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ جلدی تھی، اشکباری کا مظاہرہ نہ کر سکا جو ایک سائل کو آقا کے دروازے پر کرنی چاہیے۔ دعائیں مانگ کر میں آخری سلام پیش کرتا ہوا باب جبریل سے باہر نکل آیا۔ یہ لمحہ سنگ دلی کا تھا میرے رفقاء بھی اسی کیفیت میں تھے۔ جوں توں میں حرم سے باہر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ اب میرے پاؤں مسجد نبوی کے احاطہ کو چھوڑ چکے تھے۔ ٹیکسی میں بیٹھنا ہی تھا۔ میرا سینہ غم سے نڈھال ہو گیا۔ جدائی کا غم بھر آیا، بے پناہ آنسوں چھلک پڑے، گاڑی تیزی سے چل رہی تھی۔ میں آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ چیخ رہا تھا چلا رہا تھا، میں ضبط کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بے بس تھا۔ جب تک یہ سارے آنسوؤں

بہہ نہ جائیں، سکون میسر نہ ہوگا۔ مسجد نبوی کے مینارے چاروں طرف دکھائی دے رہے تھے۔ جن پر رحمت کی بارش برس رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ دور ہوتا جارہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور میری تمام کیفیت کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے وہاں آکر ٹیکسی روک دی۔ جہاں پر بڑی گاڑی تھی۔ یعنی بس کو پکڑنا تھا، میں کچھ ایسا گن گنانے لگا

زی مہجوری برآمد جان عالم

تراحم یا رسول اللہ تراحم

میں نے ٹیکسی والے کو دس ریال تھما دیئے اور سامان ہاتھ میں لیا۔ دوسری بڑی گاڑی میں منتقل ہوگیا۔ ایک گھنٹہ گذرنے کے بعد ہماری گاڑی بہ سوئے جدہ روانہ ہوگئی۔ اب حقیقت میں مدینہ چھوڑ رہا تھا۔ ادھر بس حرکت میں آئی اور ادھر میرے قلب میں حرکت آگئی۔ جب تک منارہ نبوی نظر آرہے تھے۔ تو آنکھوں میں بھی جذبات اور محبت کے بادل منڈلا رہے تھے۔ آنکھیں اشک بار، دل شرمسار، جسم پژمردہ جیسے روح ہی نکل گئی ہو۔ بے تحاشہ آنسوؤں نکل رہے تھے سارے گاڑی والے مسافر حیرت میں پڑ گئے۔ اس کو کیا ہوا یہ تمام مسافر پاکستانی اور ہندوستانی تھے۔ مدینہ سے جدہ ساڑھے پانچ سو کلومیٹر کا سفر صبح سات بجے ہم نے شروع کیا۔ یہ قافلہ منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ دل میں یاد بنی۔ آنکھوں کے سامنے ملک بنی ہے۔ یہ سارا پہاڑی سلسلہ ہے جس طرح کوہ ہمالیہ کا دامن ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔ اسی طرح دور تک پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ بیچ میں خوبصورت وادیاں دور تک دکھائی دیتی ہے۔ اب بھی عرب کی پرانی تہذیب ان تپتے ہوئے صحراؤں میں ملتی ہے۔ اونٹوں کی قطاریں بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ، ریتلے میدانوں

میں پہاڑوں کی آغوش میں خیمے لگائے ہوئے عربی بدو یا محافظ بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ عرب کی قدیم تہذیب کی جھلکیاں آج بھی اُن کے بڑے شہروں سے نکل کر دور دیہاتوں، پہاڑوں اور وادیوں میں قدیم عربی بدو اپنی ثقافت کو محفوظ رکھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

یہ تمام ارض مقدس عرب کی وہ پرانی تہذیب جو جہالت کے دور سے اسلام کے آنے کے بعد تک نظر آرہی ہے۔ میں بغور عرب کے ان خوشنما پہاڑوں صحراؤں ہنسے ہوئے ریتلے میدانوں کو دیکھ کر سوچ رہا تھا۔ اللہ کی تجلی ان ہی پہاڑوں سے ساری دنیا پر سورج کی مانند چمکی اسی سرزمین سے عالم اسلام کا وجود ہوا۔ بقول قیوم ؎

یہاں عربی ثقافت ہر جگہ معلوم ہوتی ہے
مجھے کسی سوہانی سی فضا معلوم ہوتی ہے

جو پوری دنیا کے ذرے ذرے میں ہی نہیں پہونچا بلکہ اللہ نے اپنے ملائکہ کو اس دین پر چلنے کے لیے کہا۔ میں بغور دور تک دیکھتا تھا۔ کوئی گاؤں، مکان، دوکان، سڑک کے کنارے پر دکھائی نہ دیا۔ اور تاحد نظر بھی کوئی کچا مکان تپتی ہوئی دھوپ میں نظر نہ آرہا تھا۔ یہاں تک چار سو کلو میٹر تک کالے پہاڑوں کا عجیب سلسلہ تاحد نظر چاروں طرف چھایا ہوا وادیاں پہاڑوں سے گھری ہوئی دکھائی دے رہی تھی اور پھر قدرت کی یہ سرزمین زمینی معدنیات پٹرولیم سونے کے ذخائر سے بھری پڑی ہے۔ اگرچہ عربی قوم تعلیمی دوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عنایت کو سمجھ نہ سکے۔ اس سرزمین کو دیکھ کر ایک نیا ولولہ جذبہ شوق اخلاص محبت امنڈ آتا ہے۔ کہ اس زمین پر میرا بھی تو حق ہے۔ قرآن مقدس کا فرمود ہے، مسلم کی میراث پر تمام دنیا کے مسلمانوں کا حق

ہے۔ میں تاریخ کے اُن اوراق کو الٹنے لگا، جب عرب بے گھر بے زمین تھے۔ یہ جگہ جگہ اپنے مال مویشی لے جا کر گذار اوقات کرتے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کی کیا حالت تھی۔

عرب کی ساری سرزمین کا چپہ چپہ دیکھنے کا جی چاہتا ہے۔ جس میں شام، مصر، عراق، فلسطین کی سرزمین بھی شامل ہیں۔ ان ملکوں میں انبیاء مبعوث ہوئے۔ اور حکم الٰہی کو قوموں نسلوں تک پہونچاتے رہے۔ اس لیے عرب مما لک مملکتِ خداداد املاک ہیں۔ آٹھ ہزاروں سالوں سے نسل آدم کو اللہ کے رسول سچائی اور توحید کا درس دیتے رہے۔ میں دن بھر اس مقدس سرزمین کا بغور مشاہدہ کرتا رہا۔ اب صرف اسّی کلومیٹر جدہ سے دور ہیں پہاڑوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہوا دکھادے رہا ہے۔ گھاس پھوس اور سبز جھاڑی نظر آ رہی میں گرمی کی لوح ریگستانی دنیا، ہوائیں ریت کے ذرے نہ جانے عربی کیسے برداشت کرتے ہیں۔ سوچ رہا تھا یہ دور پہاڑوں اور ریتلے میدانوں میں یہ عربی قوم کیسے پسماندگی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ اس قوم کے متعلق بالکل بات نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اللہ نے اس قوم اس بستی کو پسند فرمایا ہے۔

جوں توں شام پانچ بجے ہم جدہ ایئرپورٹ پر پہونچ ہی گئے۔ ہمیں الوداع کرنے کے لیے مکہ سے آئے ہوئے حجاج کرام حاجی حنیف مرزا حاجی مجید مرزا، حاجی صدیق حاجی حفیظ بھٹی بھائی ہمارا سامان بھی مکہ سے لائے تھے۔ اور ہمیں رخصت کرنے آئے تھے۔ ایئرپورٹ پر پہونچ کر بعد نماز ظہرانہ کیا۔ اب پاسپورٹ کا انتظار تھا۔ چار گھنٹے لگ ہی گئے۔ حاجی حنیف صاحب نے سلفی مسائل چھیڑ دیئے۔ اور تلقین کرتے رہے سلفیت کا کام کیا جاوے۔ اتنے میں اعلان ہوگیا۔ جہاز لگ چکا ہے۔ سامان جمع کروائیں،

تمام لوگ اپنا اپنا سامان کرسیوں پر لاد کر قطاروں میں کھڑے ہو گئے۔ میں تقریباً تمام سے پیچھے تھا۔ جن لوگوں کو پینتالیس کلو سے زیادہ سامان تھا۔ وہ ستر روپے فی کلو کے حساب سے جمع کرواتے گئے۔ مجھے کافی فکر پڑ گئی، میرے ساتھ چار ساتھی تھے، ان کے پاسپورٹ میرے ساتھ تھے۔ وزن کروانے سے پتہ چلا کہ ہمیں بھی سات ہزار روپیہ ہندوستانی کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اُس نے دو کا سامان پاس کیا، دو کا روک دیا۔ میں نے کافی سمجھایا، لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ یہ پی آئی اے کا جہاز تھا۔ کوئی احساس نہ ہوا۔ آخر میں مجھے کہنا پڑا۔ اگر میں ہندوستان ائیر لائنز میں ہوتا تو شاید ایسا نہ ہوتا۔ پھر میں نے اسے بتلا دیا جن کا سامان بھیج دیا ہے وہ بھی واپس لاؤ۔ تاکہ ہم تمام واپس ہو لیں۔ اب جہاز کو اڑنے کے لیے چند لمحے تھے، کچھ احساس ہوا اس نے سات ہزار لیے بغیر ہی ہماری خلاصی کی۔ ساتھی باہر انتظار کر رہے تھے۔ آخری سلام ہاتھ ہلاتے ہوئے چلے گئے۔ اب ہمیں حکم ہوا کہ چلو جہاز میں بیٹھ جاؤ۔ یہاں سے نکل کر ایک گیٹ پر پہونچا۔ میری اٹیچی کھلوائی، تلاشی لی۔ جہاں ہمیں تحفہ کے طور پر ایک عدد قرآن مقدس بھی پیش کیا گیا۔ اور کچھ لٹریچر بھی دیا گیا۔ آگے سیدھے جہاز کی کھڑکی تھی، ہمیں جہاز میں پہونچایا گیا۔ میری وہی سیٹ نمبر تھا۔ جو ایک ماہ قبل تھی، رات کا ایک بج چکا تھا۔ جہاز نے اڑان بھرنی شروع کی۔

رات بیت چکی تھی۔ تھکاوٹ اس قدر تھی سیٹ پر بیٹھتے ہی نیند طاری ہو گئی۔ جہاز کے عملہ نے ٹافی اور دوائی وغیرہ کی پیشکش کی۔ اور چند ہی لمحات میں انہوں نے ہمیں کھانا پیش کیا۔ جوں توں سفر بڑھتا گیا۔ جہاز کا وہی منظر تھا۔ اور زمین پر بھی وہی منظر دکھائی دیتا تھا۔ دور تک سونے کی قندیلیں چمکتی

ہوئی دکھائی دیتی ہیں، تھکاوٹ کی وجہ سے زیادہ سفر نیند میں ہی گذرا پانچ بجے کے قریب پھر ہم کراچی ائیر پورٹ پر پہونچ ہی گئے۔ جہاز سے اُترنے کے بعد ہم کراچی ائیر پورٹ میں داخل ہو گئے۔ جہاں نماز صبح ادا کی۔ اور پھر چائے وغیرہ لی۔ جہاز کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ کچھ لوگوں سے ملاقاتیں ہوئی، وہ بھی فرضی طور پر بھی وہی ثقافت، کلچرل، تہذیب دکھائی دی۔ جس کے لیے پاکستان کا وجود کا تصور ایسا نہ تھا۔ گیارہ بجے ہمیں دوسرے جہاز میں بٹھایا گیا اور ایک بجے ہم دہلی ائیر پورٹ میں داخل ہو گئے۔

اِس جہاز کا عملہ کچھ دلچسپی سے خالی تھا۔ صرف جہاز سے نکلتے ہی ہاتھ ہلاتے ہوئے سلام وکلام ہوا۔ یہاں سے نکلتے ہی اندرا گاندھی ائیر پورٹ کے اندر داخل ہو گئے۔ اب ہم ہندوستان کی سرزمین پر ٹہل رہے تھے جہاں کے خمیر سے پیدا ہوئے، پلے جوان ہوئے۔ چند لمحات کے اندر ہی ہمارا سامان بھی پہونچ گیا۔ جو مشنی پھٹے کے اوپر گھوم رہا تھا۔ ہم اپنا اپنا سامان ٹرالی پر رکھ کر سیدھے کسٹم آفیسر کے پاس پہونچ گئے۔ جہاں اس نے ایمان کی دھجیاں اڑانی شروع کر دی۔ جو چالیس دنوں میں کعبہ کے دیواروں کے ساتھ لپک کر اور مسجد نبوی کی جالیوں سے ہاتھ چھو کر وعدہ کیا تھا، کوئی بھی غلط کام اب ہم سے نہ ہوگا۔ یہی وہ غیر مسلم حکومت ثقافت اور کلچر تھا۔ جہاں پر رزق حرام کو حلال جائز قرار دیا جاتا ہے جہاں سود اور رشوت جائز سمجھی جاتی ہے۔ جہاں حلال وحرام ایک ہی تھالی میں بانٹا جاتا ہے۔ جہاں حق وانصاف کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔ میرے پاس کوئی بھی ٹیکس کی چیز نہ تھی۔ لیکن پھر بھی انکم ٹیکس آفیسر نے مجھے پانچ ہزار مانگنے شروع کیے۔ میرے پاس نہ ہی تو اتنی رقم تھی۔ جس پر مجھے اتنی بڑی رقم دینی پڑے۔ آخر وہ اپنی ہٹ دھرمی سے ہٹتا

ہی گیا۔ یہاں تک اس نے دیکھا کہ واقعی یہ شائد درست ہے۔ مجھے مجبور کرتا گیا۔ میرے تمام ساتھی کب کے باہر جا چکے تھے۔ اکیلا میں اس ہال میں کھڑا، ادھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ مجبور تھا۔ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اس نے کہا آپ کے پاس کتنے ریال ہیں۔ میں نے کہا صرف ایک سو ریال ہے اس نے کہا دے دو۔ یہاں میرا ٹیسٹ تھا۔ میں مجبوری میں اپنے تمام وعدوں سے جو کعبہ کی دیواروں اور مسجد نبوی کی جھالیوں سے کیا تھا۔ تو پہلا گناہ جو مجھ سے سرزد ہوا۔ ایک سو ریال کسٹم آفیسر کو بطور رشوت دیا اور پھر اس نے رسید دیئے بغیر ہی مجھے باہر بھیج دیا۔

یہاں میری ایمانی بصیرت جو پچھلے ایک ماہ میں حاصل کی تھی وہ کھو دی۔ جیسا بنی آدم میں ہابیل نے قابیل کو قتل کر کے پہلا گناہ کیا تھا۔ اُسی طرح میرا پہلا گناہ یہی ہوا۔ جو رشوت کسٹم آفیسر نے مجھ سے حاصل کی۔ میں نے مجبوری میں ایسا کیا۔ میرے دل کے کالے دھبے جن کے اوپر آہستہ آہستہ سفیدی مائل ہو رہی تھی۔ پھر وہی کالے دھبے لگنے شروع ہو گئے۔ مجھے اس حج پر تسلی ہوئی تھی میری بخشش کا پروانہ مل چکا تھا۔ یہ میرے دل نے مجھے بتلا دیا تھا۔ مردار کھانے والے دوسرے گیٹوں پر کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ میں کسٹم ہال کا آخری فرد تھا جو باہر آیا۔ قافلے والے باہر انتظار میں تھے۔ ایک بزرگ کے لخت جگر بھی پونچھ سے آ چکے تھے یہاں سے نکل کر سیدھے جامع مسجد پہونچے۔ اب کیا تھا تباہی، بربادی، برہنہ عورتیں چل رہی تھی نظروں کو جھکا کر رکھا۔ لیکن کب تک یہ تو ہند کی دھرتی ہے۔ یہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں کب تک اپنے آپ کو خود ساختہ ولی بنا کر رکھوں گا۔ جب کہ میرے گرد و نواح اور صبح و شام صرف اِن ہی گھٹا ٹوپ اندھیروں کا شہر ہے اسی سے گذرنا ہے۔

جہاں ہر گلی ہر کوچہ ہر بستی ہر شہر، برہنہ حسینائیں، یونیورسٹی ہو یا کالج سکول ہو یا دفاتر پارک ہو یا تھیٹر، فیکٹریاں ہوں یا فلم انڈسٹریز، ہر طرف برہنہ حسینائیں گھومتی ہوئی تعلیم کی ڈگری ہی نہیں بلکہ ملک کے سربراہ سے لے کر درجہ چہام ہی نہیں اب آرمی، نیوی، ائیر فورس اور پولیس میں سروس کرتے ہوئے ننگے جسم دکھائی دیتی ہیں۔ اسی کو غیر مسلم سیکولرازم، سوشلزم اور بھائی چارہ کہتے جب کہ اسلام نے عورت کی سروس کو حرام قرار دیا ہے۔ ہم سیدھے ہوٹل میں جا ٹھہرے، جہاں دو کمرے کرایے پر لیے۔ رات وہاں ہی گذار دی۔ ساتھیوں کو کچھ خرید وغیرہ بھی کرنی تھی۔ اس لیے پھر دہلی کی مارکیٹ میں گھومنا پڑا۔ مکہ مدینہ کا چپہ چپہ نورانی، وہاں کی ہوائیں، پانی، کھانا، لوگ سب پاکیزہ اور نورانی۔ اس کے برعکس یہاں پر سب کچھ آلودگی سے بھرا ہوا ہے۔ اس لیے کچھ اُکتاہٹ اور گھٹن سی محسوس ہوتی ہے۔ جیسا کہ دل کے مریض کو کسی بند جگہ پریشانی محسوس ہوگی۔ وہ کپکپی محسوس کرتا ہے وہی کیفیت میری تھی یہ ساری دلی۔ ایک اُجڑی بستی دکھائی دیتی تھی۔ گندی گلیاں اور کوچے جن میں چلنے کا جی نہ لگتا تھا یہاں تک چاندنی چوک بھی ویسا ہی لگتا تھا۔

پندرہ اپریل چار بجے ہم گاڑی میں بیٹھ گئے۔ جو رات چھ بجے چل پڑی۔ رات بھر سفر کافی مشکلات سے گذر رہا تھا۔ ہر موڑ پر گاڑی کھڑی کر کے، سامان کے متعلق دریافت کرتے۔ جوں توں جموں ١٦/اپریل دس بجے کے قریب پہونچ گئے اور یہاں بہت جلدی کر کے بغیر کھانا کھائے دوسری بس پر بیٹھ گئے۔ جو بہ طرف راجوری جاری تھی۔ یہ غالباً آخری گاڑی تھی ٹکٹ لے کر سامان گاڑی پر رکھ دیا۔ غالباً گیارہ بجے گاڑی وہاں سے چل دی۔ اور راستے میں ہندوستانی سپاہ چوکی چوڑانے بڑا تنگ گیا۔ ہمارے پاس

سامان تھا۔ جس کو انہوں نے کھولنا چاہا۔ ہم نے کافی منت سماجت کی، لیکن انہوں نے ایک بھی نہ مانی۔ مکہ سے ہم اسلحہ بم بارود نہیں لا سکتے تھے۔ زائرین کیا لاتے ہیں۔ کھجور، تسبیح، کوئی کپڑا، یا کوئی ریڈیو، گھڑی۔ وہ بھی وہاں کرنسی کی قیمت بڑی ہونے کی وجہ سے ہم نہیں لاتے ہیں۔ البتہ یہ ایک تحفہ اور ہدیہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ خیر میں نے کافی سمجھایا۔ لیکن اُنہوں نے ایک بھی نہ مانی۔ پھر اوپر چڑھ کر ایک بزرگ کی اٹیچی لایا۔ اور اس نے کہا ہم صرف یہیں دیکھیں گے۔ نتیجہ کے طور پر وہ بزرگ اور اس کا لڑکا دونوں وہاں رہے۔ کیونکہ اٹیچی کا تالا کھل نہیں سکتا تھا۔

ہم نے بڑی کوشش کی کہ وہ اس بزرگ بھٹی صاحب کو چھوڑے۔ انہوں نے ایک بھی نہ مانی اور اب بزرگ اور اس کے لڑکے کو وہاں ہی روک دیا گیا۔ گاڑی والا بدتمیز تھا۔ ان کو اپنی سواری کی کوئی بھی قدر نہ تھی۔ مجھے افسوس ہوا ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ خیر ہم نے برداشت کیا، اس لیے کہ میرے اُستاد ہربنس لعل شرما بھی اسی گاڑی میں بیٹھے تھے، وہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ فوج کا عملہ بس کی سواریاں بھی، ڈرائیور، کنڈیکٹر تمام غلطی پر تھے۔ ہم حاجی بن بیٹھے تھے۔ جوں توں راجوری شام پانچ بجے پہونچ ہی گئے۔ منڈی میں ایک منی بس لگی تھی۔ میں نے جست لی۔ سامان گاڑی پر رکھوادیا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ دیکھا گاڑی میں میرے گاؤں کے کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ ملاقات یہاں سے شروع ہوئی۔ ساڑھے چھ بجے بہروٹ پہونچ گیا۔ سامان اُتارا۔ برلب سڑک دوکان میں رکھا۔ اور خود گھر کی راہ لی۔ اندھیرا چھا چکا تھا۔ روشنی ماند پڑ رہی تھی۔ میں سات بجے کے قریب اپنی غریب کٹیا پر حاضر ہوا۔ میرے گھر پہونچنے تک محلہ بستی والوں کو میرے آنے کی اطلاع نہ تھی۔ اس

طرح سے پچھلے چالیس دنوں کا میرا روحانی مقدس پاکیزہ اور لذت بھرا سفر ختم ہوا، جس کے لیے لوگ اپنی تمام عمر کی پونجی لٹا دیتے ہیں۔ آج میری والدہ بھی نہیں تھی جو میرا والہانہ استقبال کرتی۔ جس کے لیے میں نے یہ حج بدل کیا تھا۔ والدہ جو سال ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو اسی دارِ فانی سے کوچ کر چکی تھی اور میرے اوپر ذمہ داری پڑ گئی۔ میں اس کی جگہ حج بدل کروں۔

خیر یہ چالیس روز قبل کا روحانی سفر جو محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا۔ وہ آج گھر میں داخل ہوتے ختم ہوا۔ اللہ حج کی برکتوں اور رحمتوں کی چھاؤں میں رکھے۔ میرا توشہ حرمین جو سڑک پر پڑا تھا۔ دوسرے دن میرے بھانجے مرحوم بابر محمود نے لایا جو ۲۰۰۴ء میں اچانک گاڑی کے حادثے کی نذر عین بیس سال کی عمر میں ہو گیا۔ جو اس عمر میں ماسٹر ڈگری کر چکا تھا۔ انتہائی ذہین، جری قابل اور تیز طرار نوجوان تھا، جس نے سارے خاندان کو داغ مفارقت دیا۔

بچھڑا وہ اس طرح سے کہ واپس نہ آسکا
ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

رحمتوں کے سفر پڑھنے والوں سے گذارش ہے کہ دعا مانگیں کہ یہ حج بدل میرے اور والدہ کے لیے بخشش کا سامان بنے۔ دانشوروں سے التجا کہ مجھے فنی لوازمات سے روشناس کریں۔

شکریہ کے ساتھ۔
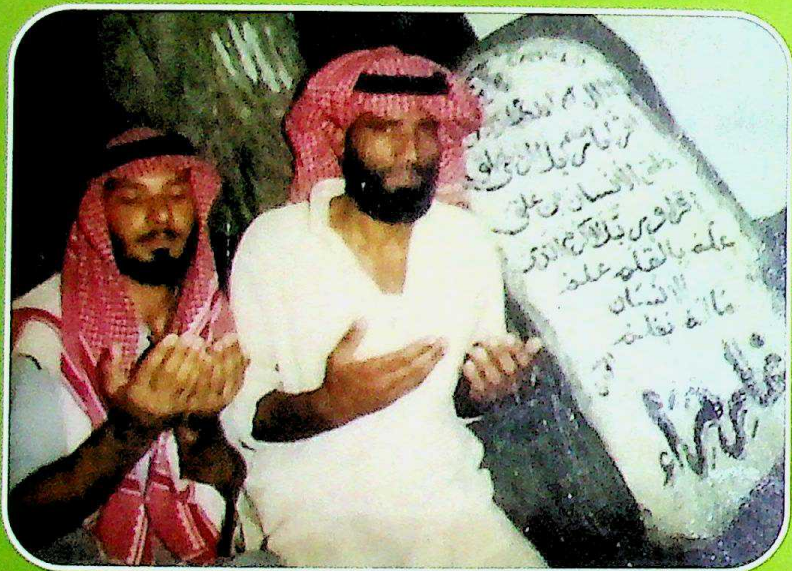
مصنف اپنے ایک دوست کے ہمراہ غارِ حراء کے سامنے محوِ دُعا

مصنف کی دیگر تصنیفات :

شایع شُدہ:

- ☆ یادوں کی برسات (شعری مجموعہ)
- ☆ ثنائے حبیب (انتخاب نعت)

زیرِ تسوید :

- ☆ کانچ کا بدن (اُردو نظمیں)
- ☆ اوش دَدرائے (کشمیری منظوم کلام)
- ☆ یادوں کے جزیرے (اُردو مضامین)
- ☆ پوشانہ سے سنگھاپور تک (بیرونی اسفار)
- ☆ اسفارِ ہند (اندرونِ ہند ریاستوں کے سفر)
- ☆ ثنائے حبیبؐ (حصہ دوم)
- ☆ توشۂ آخرت (واقعاتِ انبیاءؑ)
- ☆ دامنِ درِ رسولؐ (سیرتِ رسولؐ)
- ☆ مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبانی (آپ بیتی)
- ☆ میرے پیغامات (انگریزی)